اہل سنت کا دینی، علمی اور روحانی ترجمان

ماہنامہ

الغوث

جنوری 2026



مدیر اعلیٰ

مفتی سید شہباز اصدق غوثی

خانقاہ غوثیہ شہودیہ اصدقیہ سہسرام روہتاس بہار الہند

زیر سرپرستی: وارث مسند غوثیہ سید شاہ عارفین اصدق غوثی شہودی چشتی قادری صاحب

اہل سنت کا دینی، علمی اور روحانی ترجمان

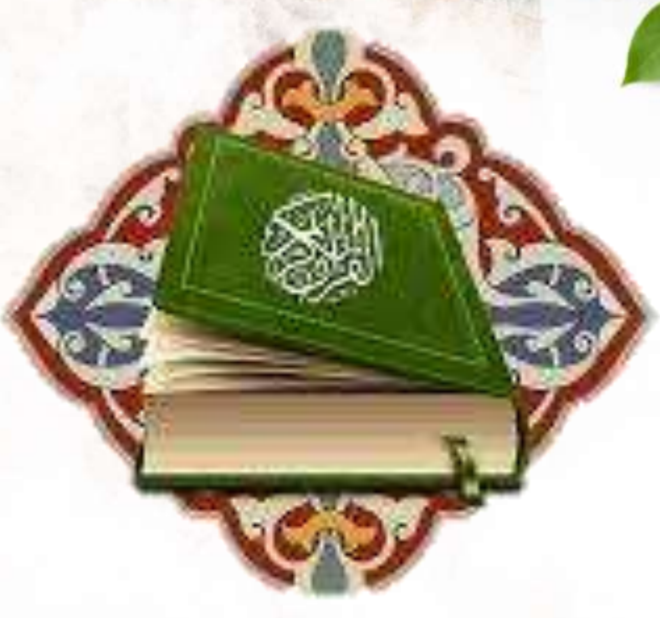
ماہنامہ

الغوث



رجب المرجب ۱۴۴۷ھ

جنوری 2026



مدیر اعلیٰ

مفتی سید شہباز اصدق غوثی

خانقاہ غوثیہ شہودیہ اصدقیہ سہسرام روہتاس بہار الہند

مشمولات

تزئین وترتیب
الحمد گرافکس

نوٹ: مضمون نگار اپنے قیمتی مضامین ہمیں درج ذیل واٹس ایپ نمبر یا ای میل پر ارسال کریں۔

ssasdaque@gmail.com +27838463037

ماہنامہ
الغوث

جلد: 1، شمارہ: 1۔ جنوری 2026
رجب المرجب ۱۴۴۷ھ

مدیر اعلیٰ:
مفتی سید شہباز اصدق
+27838463037

معاونین
مولانا تبارک حسین امجدی
مفتی سبحان رضا امجدی

رفقائے ادارہ
حضرت علامہ
سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی صاحب
(ساؤتھ افریقہ)
حضرت علامہ افتخار احمد قادر مدنی صاحب
(مدینہ منورہ)
حضرت پروفیسر سید شہا نجیب گیلانی صاحب
(انڈیا)

ناشر
خانقاہ غوثیہ اصدقیہ، سہسرام، روہتاس بہار
09097467826

ای میل
ssasdaque@gmail.com

نوٹ
اس شمارے کے قلم کاروں کی آراسے ادارہ اور ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں

احباب خانقاہ کے نمبر پر رابطہ کرکے ہر ماہ رسالہ مفت حاصل کریں۔

گزارش
علم دوست حضرات Rs786 کے ذریعہ اعزازی ممبری فیس قبول کرکے اس علمی کام میں ادارہ کی مدد کرسکتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

2026 کے لیے
داخلہ
جاری ہے

درس نظامی

آن لائن عالمہ کورس

خواتین اسلام کے لیے گھر بیٹھے عالمہ بننے کا سنہرا موقع

یہ کورس چار سال پر مشتمل ہے۔چار سال کی تکمیل پر امتحان میں کامیاب ہونے والی طالبات کے لیے
آف لائن سند عالمیت اور محفل ردائے فضیلت کا اہتمام بھی ہو گا۔

زیر قیادت:فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی سید شہباز اصدق صاحب قبلہ۔

آن لائن دروس کی خصوصیات

- ساری کلاسز ڈیجیٹل اسکرینگ کے ساتھ کرائی جاتی ہیں
- کلاسز صاف ستھری کلین آواز میں ہوتی ہے
- درس کے بعد طالبات کو سوالات کرنے کے لیے وقت دیا جاتا ہے
- چار سالہ نصاب تعلیم ملک کے بڑے مدارس کے نصاب کا خلاصہ ہے
- سال میں دو دفعہ امتحان مع رپورٹ کا اہتمام

داخلے کی ضروری شرائط

- طالبہ صحیح العقیدہ مسلمان ہو
- پہلے سال میں داخلے کے لیے اردو لکھنا پڑھنا جانتی ہو
- جس درجے میں داخلہ مطلوب ہو اس سے نچلے درجے کی کتابوں کا داخلہ ٹیسٹ پاس کرنا ضروری ہے

یہ آن لائن کورس اسلامی بہنوں کے لیے ہے جس میں انہیں علم دین سے آراستہ کرنے اور عالمہ بنانے کے لیے درس نظامی کی تعلیم کا باقاعدہ اہتمام ہے جو اسلامی بہنیں اسکول و کالج کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں یا ان کے لیے گھر سے باہر جا کر علم دین حاصل کرنا مشکل ہے ان کے لیے یہ ایک قیمتی موقع ہے۔اس آن لائن کورس میں شامل ہو کر وہ اپنا خواب شرمندہ تعبیر کر سکتی ہیں۔مزید تفصیل کے لیے اس پوسٹر میں دیئے گئے نمبر پر رابطہ کریں۔

رابطہ برائے خواتین: سیدہ شائستہ غوثی۔+916201474145 | **مفتی صاحب کا رابطہ نمبر** +27838463037

زیر اہتمام: المعہد الغوثی للبنات (خانقاہ غوثیہ اصدقیہ، سہسرام، انڈیا)

آپ کے تاثرات

از قلم

شیخ العلماء حضرت علامہ

سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی صاحب

سربراہ اعلیٰ دارالعلوم قادریہ غریب نواز، ساؤتھ افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الغوث کا پہلا ڈیجیٹل شمارہ آپ کی اسکرین کی زینت ہے، یہ مجلہ آٹھ مستقل کالموں پر مشتمل ہے جن میں بارہ عمدہ مضامین شامل ہیں، عناوین کا انتخاب نہایت خوبصورت، جامع اور خوب سے خوب تر ہے۔" گوشۂ خواتین "اور "ادبِ اطفال" کے کالموں کے ذریعہ خواتین اور بچوں کو بھی اس علمی پلیٹ فارم سے جوڑنے کی مبارک کوشش کی گئی ہے۔

یہ ماہنامہ غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز اور غوثِ ثانی، عارف باللہ خواجہ سید شاہ غلام غوث شہودی اصدقی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، اس لیے اس سے روحانیت کی جاں فزا خوشبو پھوٹ رہی ہے۔، مجھے امید ہے کہ خوشبو کا یہ علمی سفر یوں ہی جاری رہے گا اور یہ رسالہ دینی و روحانی خوشبوؤں سے اردو خواں طبقہ کو معطر رکھے گا۔

اس کارِ عظیم کا سہرا محبِ گرامی، نبیرۂ مرشدِ کریم مفتی سید شہباز اصدق کے سر ہے۔ موصوف ہی اس رسالے کے چیف ایڈیٹر ہیں، یقیناان کی نگرانی اور ادارت اس رسالے کے لیے فالِ نیک ہے۔

اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں

فیضان محبت عام سہی، عرفان محبت عام نہیں

ربِّ کریم ماہنامہ الغوث کو قبولِ عام عطا فرما کر دوام بخشے، اور اس ماہنامہ کی پوری ٹیم کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

یوم جمعہ

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے روز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس میں ایک ساعت ہے جو بندہ مسلمان اسے پائے اور وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگے گا وہی عطا فرما دی جائے گی اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ قلیل وقت ہے۔“

(متفق علیہ)

آپ کے تاثرات

از قلم
شیخ الحدیث حضرت
علامہ افتخار احمد قادری مدنی صاحب
مدینہ منورہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرور کائنات، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**بلغوا عنی و لو آیۃ** "میری جانب سے دوسروں تک پہونچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی سہی۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: "**فلیبلغ الشاهد الغائب** "حاضرین میرا پیغام غائبین تک پہونچائیں۔

آپ جانتے ہیں کہ سید کائنات ﷺ کا پیغام مقدس افراد امت پوری امانت کے ساتھ تحریری یا تقریری اسالیب سے دوسروں تک پہونچانے کا عظیم فریضہ انجام دیتے رہے اور ہم تک دین اسلام کی درخشندہ اور سرمدی تعلیمات وہدایات کو پہونچایا، بلاریب تحریر اسالیب ابلاغ میں سب سے مستحکم ذریعہ رہی ہے۔

اسلام کی پر نور اور مبارک تعلیمات کو نشر کرنے کے لیے خانقاہ غوثیہ شہودیہ اصدقیہ سہسرام نے " ماہنامہ الغوث " کے نفع بخش نام سے ایک معیاری رسالہ کے اجراء کا منصوبہ بنایا جس کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس عظیم منصوبہ کی روح رواں محب گرامی علامہ مفتی سید شہباز اصدق ہیں، یہ دارالعلوم قادریہ غریب نواز (ساؤتھ افریقہ) کے سب سے متحرک، فعال اور باصلاحیت استاذ ہیں، شہر کی دیگر مساجد میں بھی ان کے درس حدیث کا سلسلہ رہتا ہے، یہ بہت بافیض فاضل جلیل ہیں، ان سے اسلام کی عظیم خدمات کی توقعات ہیں۔ محب مکرم علامہ مفتی سید محمد شہباز اصدق صاحب اور ان کے رفقاء سفر کے لیے بہت ساری مبارک بادیاں ہیں۔ اور دعا ہے کہ رب ذوالجلال اس مبارک سفر اور منصوبہ میں ہر طرح کی رحمتیں وبرکتیں ارزانی فرمائے اور اسلام کی مقدس تعلیمات اس رسالے 'الغوث " کے ذریعہ پھیلتی رہے۔ اور ہند کا پورا اسلامی معاشرہ بلکہ اکناف عالم کے سبھی معاشرے "ماہنامہ الغوث " کی نورانیت سے منور ہو جائیں۔

ہماری بات

پہلی وحی کے نزول کے بعد رسولِ مکرم ﷺ نے کوہِ صفا کی چوٹی سے خدائی پیغام کا اعلان فرمایا۔ پیغامِ حق کے ابلاغ کے لیے کوہِ صفا کا انتخاب کوئی امرِ اتفاقی نہیں تھا، بلکہ اس لیے کیا گیا کہ مکی معاشرے میں کوہِ صفا ایک ایسا مؤثر ذریعہ ابلاغ تھا جس کی صدا کو اہلِ مکہ برضا و رغبت سنتے، اور بغیر تأمل اس کے دامن میں کھنچے چلے آتے۔ اس امر کا لحاظ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے آغازِ دعوت ہی میں اُس عہد کے سب سے مؤثر ذریعہ ابلاغ کو اپنا کر، دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ یہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ دعوتِ حق کے ارسال و ترسیل کے ہر عہد کے مؤثر ترین طریقے کو اختیار کرنا دینِ اسلام کی نظر میں مطلوب و محمود ہے۔

آج ٹیکنالوجی کا عہد ہے۔ ٹیکنالوجی کی محیر العقول ترقی نے دنیا کو ایک گلوبل ویلیج میں تبدیل کر دیا ہے۔ تمام سہولیات اور عوامی تعلقات سے دور، گھر کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا انسان اکنافِ عالم میں رونما ہونے والے تمام حالات و واقعات کی خبر بھی رکھ سکتا ہے اور اپنا پیغام بھی دنیا کے کونے کونے میں پہنچا سکتا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ نے علم و تحقیق کے نئے نئے دریچے کھولے ہیں، فکر و فن کی نئی راہیں تلاش کی ہیں، اور ارسال و ترسیل و تبلیغ و ترویج کے میدانوں کو نیا بانکپن اور وسعت عطا کی ہے۔ تاہم اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ جدید ذرائع ابلاغ کے نقصانات بھی ہیں جن سے انسانی معاشرہ محفوظ نہیں۔ یہ نقصانات علمی بھی ہیں، فکری بھی، انسانی بھی ہیں اور معاشرتی بھی، اخلاقی بھی ہیں اور روحانی بھی، دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی۔ باطل عقائد و نظریات کے حامل انہی پلیٹ فارمز سے دین و مذہب اور ایمان و عقائد کے خلاف مواد نشر کر کے لوگوں کے عقائد و ایمان کو متزلزل کرنے میں سرگرم ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ انہی پلیٹ فارمز کو دین و ملت، مذہب و مسلک کی صحیح رہنمائی اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لیے مثبت طور پر استعمال کیا جائے۔

اور بحمدہٖ تعالیٰ، سوادِ اعظم اہلِ سنت نے اس ضرورت کو محسوس کیا ہے، اور اربابِ علم و دانش اس سمت اپنی خدمات کا چراغ روشن کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ یہ ڈیجیٹل ماہنامہ الغوث بھی اسی کوشش کی ایک کڑی ہے۔

یہ کہہ کے دل نے مرے حوصلے بڑھائے ہیں
غموں کی دھوپ کے آگے خوشی کے سائے ہیں

یہ ماہنامہ حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف، سیاست، اردو ادب، گوشۂ خواتین اور ادبِ اطفال جیسے کالموں کے تحت دس سے زائد علمی، ادبی، تحقیقی، دینی اور روحانی موضوعات پر مشتمل ہے۔ سلیس، عام فہم اور رواں اردو کے ساتھ ساتھ اختصار کا بھی خصوصی خیال رکھا گیا ہے تاکہ ہر قاری کو کم وقت میں معلومات کا خزینہ اپنے سینے میں بسانے کا موقع میسر ہو۔ اب ادارے کی اس سعی میں بہار اس وقت آئے گی جب آپ اس مجلہ کے مطالعے کے لیے اپنا قیمتی وقت نکالیں۔ آج کے دور کا بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارا رشتہ کتابوں سے دور ہو چکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم کتابوں سے اپنا تعلق بحال کریں۔ لہٰذا آپ خود بھی اس مجلہ کا مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی مطالعہ کی ترغیب دیں تاکہ یہ علمی و دینی کارواں کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے اور آپ کی زندگی دینی معلومات اور اسلامی ثقافت کے نور سے منوّر و مجلّی ہو۔

از: مفتی سید شہباز اصدق

جہان تازہ کی ہے افکار تازہ سے نمود



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساتویں صدی عیسوی کے آغاز پر رسولِ مکرم ﷺ نے اعلانِ حق فرمایا۔ یہ اعلان حق و صداقت اور ارشاد و ہدایت کا ایک ایسا چراغ تھا جس کی ضیابار کرنیں اقصائے عالم کو محیط ہو گئیں۔ صرف دس سال کی مختصر مدت میں سارا عرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد اسلام کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ وہیں تھما نہیں، بلکہ اصحابِ مصطفی ﷺ نبوی مشن کو لے کر آگے بڑھے اور ایک صدی سے بھی کم عرصے میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کا جھنڈا بحیرۂ اسود و سمرقند کے ساحل سے لے کر اطلس اور وسطِ فرانس تک لہرانے لگا۔

اپنے عہد کی دو سپر پاور طاقتیں، قیصر و کسریٰ، اسلامی لشکر کے ہاتھوں شکست کھا گئیں، اور دنیا نے اسلام کی قیادت و سیادت کو ناقابلِ تسخیر حقیقت کے طور پر بسر و چشم قبول کیا۔

قسمت عالم کا مسلم کوکبِ تابندہ ہے
جس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ ہے

دس صدیوں پر مشتمل قومِ مسلم کا ماضی نہایت تابناک اور شان دار ہے۔ چودھویں صدی عیسوی تک مسلمان دنیا کے بہت بڑے حصے پر حکمران تھے۔ برِّ اعظم افریقہ کا جتنا حصہ اس وقت تک دریافت کیا جا چکا تھا، وہ سب مسلمانوں کے زیرِ اقتدار تھا۔ مشرقِ قریب و مشرقِ وسطیٰ، وسط ایشیا کا بڑا حصہ اور ہندوستان کا بیشتر خطہ بھی مسلمانوں کے زیرِ نگین تھا۔

مسلمانوں کی سیادت و قیادت کا یہ سلسلہ فقط زمینی فتوحات تک محدود نہ تھا، بلکہ علم و فن، فکر و نظر، حرب و ضرب، طب و حکمت، ایجادات و اختراعات اور تہذیب و تمدن کے ہر شعبے میں مسلمانوں کی عظمت و رفعت اور سطوت و شوکت کا پرچم بلند تھا۔ اس

حقیقت کا اعتراف معروف مورخ جارج سارٹن اپنی کتاب Introduction to the History of Science میں کرتے ہیں:

“The main task of mankind was accomplished by Muslims. The greatest philosopher, al-Farabi, was a Muslim; the greatest mathematicians, Abu Kamil and Ibrahim ibn Sinan, were Muslims; the greatest geographer and encyclopaedist, al-Masʿūdī, was a Muslim; the greatest historian, al-Tabarī, was still a Muslim."

"انسانی تہذیب کی سب سے بڑی ذمہ داری مسلمانوں نے انجام دی۔ سب سے عظیم فلسفی ابو نصر الفارابی مسلمان تھے؛ سب سے ممتاز ریاضی دان ابو کامل اور ابراہیم بن سنان مسلمان تھے؛ سب سے بڑے جغرافیہ داں اور انسائیکلوپیڈسٹ المسعودی مسلمان تھے؛ اور سب سے بڑے مؤرخ امام طبری بھی مسلمان ہی تھے۔"

الغرض، زمینی فتوحات سے لے کر علمی و سائنسی ایجادات تک ہر میدان میں رہبری و رہنمائی ہماری تھی۔ دس صدیوں تک اقوامِ عالم کے علم و فضل کا قبلہ ہم تھے۔ خشک و تر میں ہماری حکمرانی تھی، ہر گردن ہمارے سامنے خم ہوتی تھی، سیادت و قیادت ہمارے سر کا تاج اور کامیابی و کامرانی ہمارے گلے کا ہار تھی۔ دنیا کی قومیں ہماری برابری تو کجا، ہمارے گردِراہ کے تصور کے آس پاس بھی نہیں بھٹکتی تھیں۔ علم و فن سے لے کر تہذیب و تمدن تک ہر شعبۂ حیات میں روشنی حاصل کرنے کے لیے دنیا کی قومیں مسلمانوں کے دربارِ گہربار میں دستک دیتیں اور اکتسابِ فیض کرتی تھیں۔

اور یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ مسلمان اپنی انسانی کمزوریوں کے باوجود قرآن و سنت سے جڑے ہوئے تھے۔ ان کی فکر و خیال کا قبلہ قرآن، اور فعل و عمل کا مرکز رسول اللہ ﷺ کا اسوہ تھا۔ وہ اسی سیاسی، تمدنی اور اخلاقی نظام کے نمائندہ تھے جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ عدل و انصاف، محبت و مروّت، اخلاق و کردار، عفو و درگزر، محنت و مشقت، احترامِ انسان و انسانیت—ان اوصافِ حسنہ سے ان کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی شعبے منور و تابناک تھے۔

لیکن دھیرے دھیرے مسلمانوں کی فکر و خیال اور کردار و عمل کا قبلہ اگرچہ زبانی طور پر قرآن و سنت رہا، لیکن **عملاً** اس سے انحراف پایا جانے لگا، اور یہیں سے زوال و انحطاط کا دروازہ امتِ مسلمہ پر وا ہوا۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں سے اخلاق و کردار رخصت ہونے لگا، عدل و انصاف کی جگہ ظلم و جبر نے لے لی، جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کی صفت ماند پڑ گئی اور اس کی جگہ راحت طلبی اور عافیت کوشی پیدا ہوگئی۔ یوں وہ تمام اسباب پیدا ہوگئے جو کسی بھی قوم کے زوال کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں۔

اس طرح قومِ مسلم زوال و انحطاط کے قعرِ مذلّت میں دھنس گئی۔ اور اب حال یہ ہے کہ علم و فن، فکر و نظر، تہذیب و تمدن اور سیادت و قیادت ہر میدان میں ہم پس ماندگی کا شکار ہیں۔ سیاسی، سماجی، سائنسی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہماری زبوں حالی

ناقابلِ بیان ہے۔ شومئ قسمت کہ مذہبی و اعتقادی زوال بھی اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔ لادینیت، لامذہبیت اور ارتداد کی جو آندھی چل رہی ہے، وہ امتِ مسلمہ کے لیے شدید خطرے کی گھنٹی ہے۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

امتِ مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی کے اسباب و علل پر اربابِ علم و دانش نے بہت کچھ لکھا ہے۔ تعلیمی پسماندگی، فکری تعطل، سیاسی جمود، غیر ضروری مباحث میں دلچسپی، اصولی امور سے پہلو تہی، اور قرآن و سنت سے دوری—یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے آج قومِ مسلم زوال و انحطاط کا شکار ہے۔

ان تمام اسباب و علل میں جو چیز قدرِ مشترک ہے وہ قومِ مسلم کی غیر معمولی غفلت ہے۔ اس وقت امت پر غفلت کا گھنا بادل چھایا ہوا ہے۔ تعلیم کے میدان سے لے کر سیاست کی وادی تک ہر طرف ناقابلِ بیان غفلت پھیلی ہوئی ہے۔ عوام ہوں یا خواص—ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں اس مہلک مرض کا شکار دکھائی دیتا ہے۔

یہ ہرگز درست نہیں کہ قومِ مسلم میں رازی و غزالی جیسے حکما کا پیدا ہونا ناممکن ہو چکا ہے، اور نہ ہی یہ بات صحیح ہے کہ علم و فن، تحقیق و تدقیق اور ایجادات و اختراعات کے دروازے اس قوم پر ہمیشہ کے لیے بند ہو گئے ہیں، کہ ہم چاہ کر بھی عزت و عظمت کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ نہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے۔

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم غفلت کی چادر اتار پھینکیں، خوابِ غفلت سے بیدار ہوں، لاشعوری کیفیت سے نکل کر شعور کی آنکھیں کھولیں، جوان ہمتی کا مظاہرہ کریں۔ پھر دیکھیے کہ ہماری بیداری علم و فن، فکر و نظر، اور ایجادات و اختراعات کی دنیا میں کیسا عظیم انقلاب برپا کرتی ہے، اور سائنسی و سیاسی میدانوں میں کیسے فتوحات کے دروازے وا ہوتے ہیں۔ اسی بیداری سے رازی و غزالی کے نائبین جنم لیتے ہیں۔

۔ قرآن کا یہ ارشاد دل کے کان سے سنیں:

"وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ "(سورہ آل عمران آیت 139)

ترجمہ: اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

غزوۂ اُحد میں نقصان اٹھانے کے بعد مسلمان بہت افسردہ ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے بعض اہلِ ایمان کے دلوں میں سستی اور کم ہمتی کے آثار پیدا ہوئے۔ اس موقع پر قرآن نے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقتی نقصان اور پریشانی سے دل گرفتہ نہ ہوں؛ عزم و حوصلہ بلند رکھیں؛ بیداری، جواں مردی اور اعلیٰ ہمتی کا مظاہرہ کریں۔ کامیابی اور غلبے کا تاج بالآخر قومِ مسلم ہی کے سر پر سجنے والا ہے۔

لہٰذا قومِ مسلم کی موجودہ زبوں حالی پر محض کفِ افسوس ملنے سے بہتر ہے کہ ہم بیداریِ امت کے لیے افکارِ تازہ کا چراغ روشن کریں اور انہی افکارِ تازہ کی روشنی میں ملتِ اسلامیہ کو جہانِ تازہ کی نوید سنائیں۔

جہان تازہ کی ہے افکار تازہ سے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا



تفسیر سورہ فاتحہ

از: مفتی فیضان رضا امجدی، خلیل آباد، یوپی

"درس قرآن" ماہنامہ الغوث کا مستقل کالم ہے، یہ شمارہ ماہنامہ الغوث کا نقش اول ہے اس لیے اس کالم کا آغاز سورہ فاتحہ کی تفسیر سے کیا جا رہا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (1) الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (2) مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ (3) اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (4) اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (5) صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ (7)

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔ بہت مہربان رحم والا۔ روز جزا کا مالک۔ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ ہم کو سیدھا راستا چلا ان کا جن پر تو نے احسان کیا نہ کہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

تفسیر:

اسمائے سورہ فاتحہ مع وجہ تسمیہ:- سورہ فاتحہ کے متعدد اسما ہیں۔ اس مبارک سورہ کا ایک نام "فاتحۃ الکتاب" ہے (فاتحہ: جس سے کوئی چیز شروع کی جائے) اس سورہ کو سورہ فاتحہ اس لیے کہتے ہیں کہ مصاحف، تعلیم، تلاوت قرآن اور نماز کا آغاز اسی سے ہوتا ہے، یا اس لیے کہ یہ تمام سورتوں سے پہلے نازل ہوئی، یا اس لیے کہ لوح محفوظ پر سب سے پہلے اسی کو لکھا گیا۔

اس سورہ کا دوسرا نام "ام القرآن" ہے۔ "ام" عربی میں اصل اور جڑ کو کہتے ہیں، اور یہ سورہ "ام القرآن" اس لیے ہے کہ قرآن پاک سے چار چیزیں مقصود ہوتی ہیں: (۱) الوہیت کا اقرار (اللہ موجود ہے) (۲) نبوت کا اقرار (نبوت پر ایمان) (۳،۴) قضاء و قدر کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا۔ اور یہ چاروں مضامین سورہ فاتحہ میں موجود ہیں۔

اس کا تیسرا نام "سبع مثانی" ہے۔ سبع کا معنی سات ہوتا ہے اور مثانی کا مطلب ہے کہ وہ چیز جس کو دوہرایا جائے، اس سورہ کو "سبع مثانی" اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سات آیات ہیں، یا اس لیے کہ ہر آیت قرآن پاک کے ساتویں حصے کے برابر ہے کہ

جس نے اس سورہ کو پڑھ لیا۔ گویا کہ پورے قرآن کو پڑھ لیا، اور مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ نماز میں دو بار پڑھی جاتی ہے یا اس لیے کہ اس کا نزول دو بار ہوا ہے۔ پہلی بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں۔

اس سورہ کے دیگر اسمایہ ہیں (۴) سورۃ الصلوۃ (نماز والی سورہ) (۵) سورۃ الشفاء (مرض سے شفا بخشنے والی سورہ) (۶) اساس القرآن (قرآن کی بنیاد) (۷) الشافیہ (شفا بخش) (۸) الکافیہ (کافی ہونے والی) (۹) الوافیہ (کافی ووافی) (۱۰) سورۃ الحمد (اللہ کی تعریف کرنے والی سورہ) (۱۱) سورۃ السؤال (اللہ سے مانگنے کا طریقہ بتانے والی سورہ (۱۲) سورۃ الشکر (اللہ کا شکر ادا کرنے والی) (۱۳) سورۃ الدعاء۔ (۱۴) سورۃ الکنز (خزانہ والی سورہ)۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "سورہ فاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: اس آیت میں یا تو حمد بمعنی کامل اور مکمل حمد ہے، اور کامل حمد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد خود فرمائی یا وہ جو انبیا علیہم السلام کی زبان سے نکلی یا وہ جو اولیائے کرام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ یا تو حمد بمعنی تمام تر تعریفیں یعنی تعریف کا ہر ہر حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، خواہ فرشتوں سے ہو یا انسانوں سے یا ان کے علاوہ سے ہو۔

حمد تین طرح کی ہوتی ہے (۱) قولی یعنی زبان سے حمد کرنا (۲) فعلی یعنی ہاتھ پیر جسم کے اعضا سے حمد کرنا جیسے نماز وحج وغیرہ (۳) حمد حالی یعنی روح و قلب سے حمد کرنا۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: دونوں ہی لفظ کا معنی "رحمت والے" کے ہی آتے ہیں۔ ایک ہی معنی کو بیان کرنے کے لیے دو لفظ (الرحمن، الرحیم) کیوں آیا؟ لفظ کی تکرار اس لیے ہے تاکہ اللہ کے بندے اس کو بار بار یاد کریں، یا اس لیے کہ جب بندے نے "رب العالمین" کہا تو گویا کسی نے پوچھا کہ رب العالمین کون ہے؟ بتایا گیا کہ وہ رحمن ہے جو اپنے بندوں کو دنیا میں روزی دیتا ہے اور رحیم ہے جو ان کی قیامت میں مغفرت فرمائے گا۔

نوٹ: لفظ رحمن خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لفظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے کرنا صحیح نہیں ہے حتی کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کو بھی رحمن نہیں کہہ سکتے۔

اور لفظ رحیم کا استعمال اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی روا ہے اسی لیے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف ورحیم کہا جاتا ہے جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے اس شعر میں حضور ﷺ کو رحیم کہا ہے:

تم ہو جواد و کریم تم ہو رؤف الرحیم
بھیک ہو داتا عطا تم پہ کروڑوں درود

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: روزجزا کا مالک، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کیوں کہ سب اس کی ملکیت میں ہیں، سب کا وہی مالک ہے، تو سب اس کے مملوک اور بندے ہوئے اور مملوک عبادت کے لائق نہیں ہو سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا دارالعمل ہے اور ایک دن یہ ختم ہو جائے گی دنیا کے ختم ہونے کے بعد ایک فیصلہ اور جزا و سزا کا دن ہے، دنیا کے قدیم اور ازلی ہونے (ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی) کو ماننا باطل ہے۔ آخرت کے حق ہونے سے روگردانی کرنا باطل ہے۔ (خازن)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ: اللہ کی ذات وصفات کے ذکر کے بعد یہ فرمانا اشارہ ہے کہ پہلے عقیدہ ہے پھر عمل ہے اور عبادت اس وقت قبول ہوگی جب عقیدہ صحیح ہو گا۔ "نعبد"_صیغہ جمع (plural) ہے اس سے اشارہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔

مسئلہ: اس آیت میں شرک کا رد ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔ (خازن)

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مدد چاہے کسی کے واسطے سے ہو یا بغیر کسی واسطے کے ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، حقیق مددگار وہی ہے۔ باقی آلات، خدام اور احباب وغیرہ تو یہ سب ذریعہ ہیں حقیقی مدد اللہ کی طرف سے ہے، بندے کو چاہیے کہ اپنے ہر کام میں اللہ کی قدرت کو معاون و مددگار سمجھے۔

مسئلہ: یہ سمجھنا کہ اولیا اور انبیا سے مدد مانگنا شرک ہے باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی طرف سے مدد حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی مدد ہے۔ بلا تفصیل غیر اللہ سے استمداد کو شرک بتانا اور پھر اس آیت سے استدلال کرنا باطل ہے کیونکہ قرآن میں مقدس ایسی متعدد آیات ہیں جن سے مجازا غیر اللہ سے استمداد کا ثبوت موجود ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: (۱) "فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ_" ترجمہ: میری مدد قوت کے ساتھ کرو. (سورہ کہف / آیت نمبر / 95_)(۲) " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ "ترجمہ: صبر اور نماز سے مدد چاہو (سورہ بقرہ / آیت نمبر / 153) ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ نماز، صبر اور لوگوں سے مدد مانگنے کا حکم ہے. اور اگر اللہ والوں سے مدد مانگنا شرک ہوتا تو احادیث میں اللہ والوں سے مدد مانگنے کا حکم کیوں دیا جاتا؟ (خازن)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ: ہم کو سیدھا راستہ چلا، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے بعد عبادت، اس کے بعد دعا کی تعلیم فرمائی۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کے بعد دعا میں مشغول ہونا چاہیے، حدیث میں عبادت کے بعد دعا کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔ صراط مستقیم سے مراد یا تو اسلام ہے یا قرآن ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ہے یا حضور کے آل واصحاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صراط مستقیم اہل سنت کا راستہ ہے جو قرآن و سنت اور آل و اصحاب سب کو مانتے ہیں۔ (خازن)

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: ابوالعباس ابن عطاء فرماتے ہیں: "وہ لوگ جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے" ان کے بہت سارے طبقات ہیں، عارفین، اولیاء، ابرار، مریدین اور مومنین۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں: اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد انبیاء،

صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:" فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ " ترجمہ: وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام فرمایا انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔

(تفسیر روح البیان جلد 1 / ص / 22).

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ: "مغضوب علیھم" (جن پر اللہ کا غضب ہوا ہو) سے بے فرمان اور "ضالین" سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات سے جاہل لوگ مراد ہیں۔ ترمذی شریف میں ہے: مغضوب علیھم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔

مسئلہ: حق کے طلب گار کو خدا کے دشمنوں سے بچنا اور ان کی راہ ورسم، عادت واطوار سے پرہیز کرنا لازم وضروری ہے ۔

مسئلہ: جو شخص ض کی جگہ ظ پڑھے اس کی امامت جائز نہیں (فی محیط برہانی بحوالہ خازن)

مسئلہ: سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہنا سنت ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز کے باہر ۔

مسئلہ: نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد آمین سِرّاً یعنی آہستہ کہی جائے یہی امام اعظم کا مذہب ہے (خازن)

ارشاد غوثی

اے عزیز! دنیا کے کسی جھگڑوں کو اپنے پاس نہ ٹھہرنے دے اور نہ دنیا والوں کو اپنا ہم جلیس بنا۔ چاہ دنیا تم کو کبھی پھلنے نہیں دے گی۔ اور اس کی دشمنی تمہارا کچھ نقصان نہیں کر سکتی۔ اس کی دشمنی عشق و محبت کے شجر کو سرسبز وشاداب رکھنے والی ہے جس کے سبب تمہارا گلشن مراد ہمیشہ پھولا رہے گا۔ اور حدیث نبوی ﷺ ہے کہ " اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ "۔

(حوالہ: سفینہ عارف باللہ، غوث وقت، شہود ثانی خواجہ سید شاہ غلام غوث شہودی اصدقی چشتی قادری قدس سرہ)

پیش کش: فجر فاطمہ غوثی



از: مولانا تبارک حسین امجدی، سعودی عرب

انوار حدیث

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا» (صحیح مسلم،۲۷۳۴)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالی اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھانا کھانے کے بعد یا پانی پینے کے بعد اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہے۔

تشریح:

شکر کی تعریف کسی کے احسان ونعمت کی وجہ سے زبان، دل، یا اعضا کے ساتھ اس کی تعظیم کرنے کا نام شکر ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے جو ایک مرتبہ کھانے یا پینے کے بعد اس کا شکر ادا کرے۔

بندہ مومن کی زندگی کا مقصود اصلی یہی ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ رب العزت کی رضا وخوشنودی کا طلبگار رہے جتنے بھی طاعات وعبادات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہیں۔ کامیاب بندہ وہی ہے جو اپنی زندگی میں اپنے رب کو راضی کر لے گیا اس حدیث پاک میں بتایا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کی رحمت کو اپنی جانب متوجہ کرنا کوئی بڑا دشوار کام نہیں ہے بلکہ ایک لقمہ کھانے یا پینے سے بھی اللہ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے بشر طیکہ اس پر صدق دل سے اللہ رب العزت کا شکر ادا کر لیا جائے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا ہے کہ "الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصابر" (مشکاۃ۴۲۰۵)
یعنی شکر گزار کھانے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔

در حقیقت شکر ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محمود وپسندیدہ ہے اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس کے اندر جابجا اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ" (سورہ ابراہیم، آیت ۷)

ترجمہ: اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اور دونگا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے شکر کی اصل یہ ہے کہ آدمی نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرے اور حقیقت شکر یہ ہے کہ منعم (یعنی نعمت دینے والے) کی نعمت کا اس کی تعظیم کے ساتھ اعتراف کرے اور نفس کو اس کا خوگر بنائے۔ یہاں ایک باریکی ہے وہ یہ کہ بندہ جب اللہ تعالی کی نعمتوں اور اس کے طرح طرح کے فضل و کرم و احسان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے شکر میں مشغول ہو جاتا ہے اس سے نعمتیں اور زیادہ ہوتی ہیں اور بندے کے دل میں اللہ تعالی کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے یہ مقام بہت برتر اور اس سے اعلی مقام یہ ہے کہ منعم کی محبت یہاں تک غالب ہو کہ قلب کو نعمتوں کی طرف التفات باقی نہ رہے۔ یہ مقام صدیقوں کا ہے۔ اللہ تبارک و تعالی اپنے فضل سے ہمیں شکر کی توفیق عطا فرمائے آمین

حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں ارشاد نبوی ہے: "وَالتَّحَدُّثُ بِنِعْمَةِ اللهِ شُكْرٌ الخ" (شعب الایمان، ۸۶۹۸)

اظہار نعمت شکر ہے اور اخفاء ناشکری ہے جو کم کا شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ کا شکر بھی ادا نہ کرے گا جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر گزار نہیں اجتماعیت برکت و رحمت ہے اور اختلاف و انتشار عذاب ہے۔

شکر کرنے سے نہ صرف یہ کہ نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ آفات و بلیلات سے حفاظت بھی ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی فرماتا ہے "مَا يَفْعَلُ اللهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ" (سورہ النساء، آیت ۱۴۷)

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالی تمھیں عذاب کیوں کر دے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔

خلاصہ یہ کہ بندہ نعمتوں کو دینے والے کا شکر بجالانے میں بالکل سستی نہ کرے اللہ پاک ہر شکر پر نعمتوں کو بڑھاتا ہے ہمیں چاہیے کہ شکر الحمدللہ سے اپنی زبان تر رکھیں اچھی زندگی نیک زوج، نیک اولاد دن رات کے ہر کام پر شکر الحمدللہ، رات کو سونے صبح کو اٹھنے پر شکر، نماز اور عبادت کرنے کی توفیق دی تو شکر، شکر کرنے والی زبان دی شکر، الحمدللہ۔ جب جب زبان شکر ادا کرتی ہے تب تب اللہ نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔ سورہ رحمن میں اللہ تبارک و تعالی نے فرمایا ہے: "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ"

ترجمہ: تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اللہ کی اتنی نعمتیں جو ہم شمار بھی نہیں کر سکتے تو پھر اس رب کا شکر کیوں نہ ادا کریں، وہ انگلی جو شہادت کے لیے اٹھے، وہ پاؤں جو مسجد کو جائیں، وہ آنکھیں جو قرآن پڑھیں، وہ ہاتھ جو دعا کے لیے اٹھیں اور وہ منہ جو شکر ادا کرے، اللہ پاک کو بہت محبوب ہے۔ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اور اس کی برکتیں حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ اس کا شکر ادا کرنا ہے۔

وہ عطا کرے تو شکر اس کا وہ نہ دے تو کوئی ملال نہیں
میرے رب کے فیصلے کمال ہیں اس کے فیصلوں کو زوال نہیں



درس تصوف

(مکتوبات اصدقی کا مکتوب ۱۳ جسے قطب عالم حضرت خواجہ شاہ قیام اصدق الصادقی الفخری رضی اللہ عنہ نے حضرت شاہ ملک علی حسین اصدقی رحمہ اللہ کے نام لکھا ہے، ہدیۂ قارئین ہے۔ ادارہ)

" جان لیں کہ فقیر کی خیریت اسی میں ہے کہ میرے تمام مریدین گناہوں سے دور رہیں۔ اور حق تعالی کی یاد میں مسرور و مشغول۔ اور ہمیشہ توبہ و استغفار میں کوشاں رہیں اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مطابق دین اسلام کا حکم بجالائیں۔ آخرت کے انجام اور اپنے احباب و وطن کی جدائی سے فکر مند اور ڈرتے رہیں۔

جب آخر کار خدا سے ہی واسطہ پڑے گا تو حق تعالی کی بندگی میں مشغول رہیں، ورنہ اس دن " يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (روز حساب تمام لوگ بلائے جائیں گے اپنے رہبروں کے ساتھ) خود کو اور مجھ کو بھی پریشانی اور شرمندگی میں مبتلا کریں گے۔ مریدوں کی اپنی بھلائی اسی میں ہے کہ دینی احکام میں اپنے پیر و مرشد کے پیرو رہیں اور ہمیشہ پیر و مرشد کے فرماں بردار بن کر نیک اعمال کے لیے کوشش کرتے رہیں۔

میرے عزیز! گناہوں کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جس میں آخرت کا نقصان ہے لیکن دنیا میں آرام ہے، اور یہ وہ ہے کہ کسی کا مال ظلماً حاصل کرنا، رشوت لینا، کسی کا حق مار لینا اور دھوکہ و فریب کے ذریعہ پیسہ جمع کرنا۔ یہ سب دنیا میں عیش کا ذریعہ بنتے ہیں اور آخرت میں اذیت کا سامان۔

دوسرے وہ گناہ جس میں دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے، کیوں کہ دنیا میں مال کی بربادی ہے اور آخرت میں بھی عذاب اور سزا کا باعث ہے۔ جیسے: زنا کرنا، شراب پینا، گانجا استعمال کرنا وغیرہ۔ یا مال کا بے جگہ خرچ کرنا، اس میں تو شرعی وجہ ہے۔ اور زنا کا نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں عمر کی کمی اور اعضا کی سستی اور لاعلاج بیماری لاحق ہوتی ہے، علاوہ اس کے مال کا نقصان بھی۔ اور شراب پینے وغیرہ میں بھی مال کا نقصان اور آخرت کا گھاٹا ہے۔

تیسرے قسم کا گناہ لغویات ہے۔ جس سے دنیا میں اگر کچھ نقصان نہیں ہوتا ہے لیکن آخرت میں عتابِ الٰہی کا موجب اور عذاب و نقصان کا باعث ضرور ہے۔ جیسے: بہت ہنسنا، کہانی اور افسانہ کی کتابوں میں مشغول رہنا، مسلمان بھائیوں کو طعن و تشنیع (برابھلا) کرنا، غیبت اور چغل خوری کو راہ دینا، خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے دل میں کھوٹ رکھنا، انبیا، اولیا اور بزرگوں سے بدگمان رہنا۔

ان تین قسموں کے ضمن میں گناہوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض دنیا کے نقصان کا سبب ہے اور بعض آخرت کے نقصان کا سبب ہے۔ اور بعض دنیا و آخرت دونوں کے نقصان کا سبب ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ان تمام سے باز رہنا اور جہاں تک ممکن ہو دور بھاگنا واجب و فرض ہے۔ اور اگر یک بارگی تمام کو چھوڑ دینا ممکن نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو توبہ کو اپنائے۔ ۔فہو المراد۔ اور باقی گناہوں کے ترک کرنے کے ارادے کو اہم مقصد میں شمار کرے۔
حق تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ یعنی اے گرویدگان! توبہ کرو ہر برے کام سے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں نصوح کے توبہ کرنے کی طرح کہ اس نے جس کام سے توبہ کی پھر کبھی اس کام کی طرف قدم نہ بڑھایا ۔

میرے عزیز! پیر و مرشد کی اپنے مرید پر شفقت باپ سے زیادہ رہتی ہے۔ اس لیے کہ بیٹے پر باپ کی شفقت قبر تک محدود ہے اور اپنے مرید پر پیر کی شفقت روزِ قیامت تک قبر سے اٹھنے کے بعد بھی ہوگی۔ (دوسرے یہ کہ) باپ میں اکثروں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں میرا بیٹا مال و مرتبہ کو پہنچے اور پیر یہ چاہتا ہے کہ میرا مرید دنیا میں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ کر قیامت کے دن بلند مرتبے کو پائے اور اس سے کم تو چاہتا ہی نہیں کہ دوزخ سے چھٹکارا پائے اور سلامتی کے گھر (جنت) میں پہنچے۔ لہٰذا اے عزیز! خیال رکھو کہ کل قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہ کرنا، میں تم کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نیکی کے سوا کوئی حکم نہیں کرتا ہوں، اگر تم اس کی طرف توجہ نہ دوگے تو تم جانو۔ رب تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: "اے میرے بندو! اگر تم بچوگے کبیرہ گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو میں تمہارے صغیرہ گناہوں کو بخش دوں گا اور بہشت میں تم کو جگہ دوں گا۔
میں بھی کہتا ہوں کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے باز رہوگے اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر عمل کروگے تو میں تمہارے لیے حق تعالی سے درخواست کروں گا اور اگر میں نہیں کرسکوں گا تو اپنے پیران سلسلہ سے گزارش کروں گا تاکہ تیرے لیے حق تعالی سے سفارش کریں اور معافی دلائیں۔

خبر دار! آوارہ نہ پھرو، حق تعالیٰ کو فراموش نہ کرو اور نافرمان بن کر نہ رہو۔ انبیائے کرام، اولیائے عظام اللہ بزرگ و برتر کے خوف سے زندگی بھر روتے رہے ہیں۔ لرزتے اور ڈرتے ہوئے زندگی گزاری ہے۔ ہم اور تم کون ہوتے ہیں اور کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

اپنی ابتدا کو دیکھو کہ گندہ پانی کا قطرہ تھے۔ پروردگار نے اپنے فضل و کرم سے جو صورت کہ تم رکھتے ہو پروان چڑھایا۔ اس احسان کو نہ بھولو اور اس نعمت کے شکریہ میں جو کچھ کہ اس نے فرمایا ہے، نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ اسے دل سے بجالاؤ۔ اور اپنی سانسوں پر بھی نگاہ رکھو کہ اس کی یاد سے خالی نہ رہے۔ اور خود پر بھی کہ اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: " ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ "یعنی میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے:" ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ "یعنی پھر غیب اور ظاہر کو جاننے والے کی طرف تم سب ہانکے جاؤ گے، تو وہ تمہیں خبر دے گا ان حرکات و سکنات کی جو تم پہلے کر چکے ہو گے۔ اللہ اللہ! کس قدر غفلت، بے فکری اور بے خوفی ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے سامنے بلائے گا اور ایک ایک کر کے تمام اعمال اور کاموں کے متعلق پوچھے گا، کیا کہتے ہو؟ دنیاوی حاکم جو خود کو آلودگیوں سے پاک نہیں کر سکا ہے، تجھے اپنے سامنے بلائے اور ایسے کاموں اور حرکتوں کے متعلق پوچھے جو تم دوسروں کے ساتھ کر چکے ہو تو بید کی طرح کانپنے لگو گے اور ہوش و حواس بھول بیٹھو گے اور بے کار عذر پیش کرو گے۔

اگر وہ تمہارا عذر قبول کر لے تعجب نہیں ہے، کیونکہ وہ غیب کے احوال کی خبر نہیں رکھتا ہے اور اگر وہ عذر قبول نہ کرے تو کیا کرو گے؟ جب کہ یہ حال ہے، کیوں قیاس نہیں کرتے ہو کہ جو سارے عالم کا حاکم ہے، سب دیکھنے اور سننے والا ہے، تجھ کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، گندہ پانی کے ایک قطرہ سے لے کر اب تک پرورش کرنے والا ہے۔ لوگوں کا تمام حال اس کے سامنے ظاہر اور بے پردہ ہے۔ پھر جواب میں کیا ہو گا اور کون سا عذر سامنے لاؤ گے۔

قرآن کریم کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا ہے کہ جب تم عذر کرو گے تو تمہارے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا و حصے (آنکھ، ناک، کان) تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور زمین بولنے پر آجائے گی اور تمہارے کیے ہوئے گناہوں کو بیان کر دے گی۔ اگرچہ رب تبارک و تعالیٰ خود جاننے والا ہے۔ ع

حاکم که خود گواه بود قصه مشکل است

(حاکم جب خود ہی گواہ بن جائے تو معاملہ بہت مشکل ہے)

لیکن یہ گواہی دینا اولاد آدم سے اتمام حجت کے لیے ہے۔ (جس کے بعد کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی) آخر اس وقت کیا کروگے اور تمہارا کیا حال ہوگا؟ ہوش رکھو اور خبردار ہوشیار رہو۔ اور اپنے کاموں کا روزانہ حساب کرو کہ رب تعالی کے پسندیدہ کام کتنے کیے اور نفس و شیطان کی خواہش کے مطابق تم نے کس قدر کام کیا ہے؟ اگر ایک روز یہ حساب لگاؤ گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کس لائق ہو؟۔ اس زمانے کے لوگ موت کے وقت کو بھول بیٹھے ہیں، اسی لیے غفلت کی گہرائی میں پڑے ہوئے ہیں۔ چاہیے کہ موت کو ہر وقت سامنے رکھیں اور خیال کرے کہ کل زندہ نہیں رہیں گے۔ آخرت کے واسطے کچھ کر لیا جائے تاکہ وہ وہاں کام آئے۔ جب اسی طرح کروگے تو ممکن ہے کہ حق تعالی کی طرف سے توفیق مددگار ہو جائے اور نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف کھینچ لیے جائے۔

"علی حسین" نام رکھتے ہو اور یہ نہیں جانتے ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کس طرح زندگی گزاری ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کس لیے شہید ہوئے؟ مسلمانان، مسلمانان، مسلمانان اور مسلمانی کی صرف رٹ ہے مسلمان قبر میں ہے اور مسلمانی کتاب کے ورقوں میں ہے۔

میں فرصت کا وقت کم رکھتا ہوں، کتنا لکھوں۔ اگر تیرے دل میں اسلام اور ایمان کا نور ہے تو اسے باقی رکھ اور اسی پر قائم رہ اور ان تمام نصیحتوں کو اپنے لیے غنیمت شمار کر اور اسی پر عمل کر، جہاں تک ہو سکے نگاہ کو بند رکھ اور اپنے کو رنجیدہ رکھ۔

اللہ بس، باقی ہوس۔

درود شریف کی فضیلت

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: "یارسول اللہ میں آپ پر درود پڑھتا ہوں تو کتنا وقت درود کے لیے مقرر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا: چوتھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو، اگر درود کا وقت بڑھادو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کیا: آدھا وقت؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو، اگر درود کا وقت بڑھادو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کیا: دو تہائی وقت؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو لیکن اگر درود کا وقت بڑھادو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا: میں سارا وقت درود ہی پڑھوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو تمہارے غموں کے لیے کافی ہے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(ترمذی)

مفتی سید شہباز اصدق غوثی



دوران نماز موبائل فون بند کرنے کا حکم

سوال: آج کل موبائل انسان کا ساتھی ہے، نماز کے لیے مسجد میں جاتے ہیں تو موبائل ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی silent کرنا بھول جاتے ہیں اور موبائل کی رنگ بجنے لگتی ہے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے، شرعی رہنمائی درکار ہے۔

مزمل احمد، سہسرام

الجواب: نماز کو خشوع و خضوع اور حضوری قلب کے ساتھ ادا کرنا شریعت میں محبوب و مطلوب ہے، حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا"

معلوم ہوا کہ نماز ایک عبادت ہے، جسے خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری اور کیفیت حضوری کے ساتھ ادا کرنا مستحسن ہے اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ نماز میں موبائل فون کی رنگ کا بجنا نماز میں خلل پیدا کرتا ہے اور نمازی کا خشوع و خضوع متاثر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت اس امر کی ضرور اجازت ہے کہ نماز میں اگر رنگ بجنے لگے تو نمازی جیب کے اوپر سے موبائل کا بٹن دبا کر رنگ بند کر دے اور اپنی اور دوسرے نمازیوں کی نمازوں کو خلل سے بچالے، کیونکہ ہر وہ عمل قلیل کہ نمازی کے لیے مفید ہو جائز ہے، بہار شریعت میں سیدی صدر الشریعہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ہر وہ عمل قلیل کہ مصلی کے لیے مفید ہو جائز ہے اور جو مفید نہ ہو، مکروہ ہے" (بہار شریعت، ج1 ص631)

فقہا کی صراحت کے مطابق نماز عمل کثیر سے فاسد ہو جاتی ہے جبکہ عمل قلیل مفسد صلاۃ نہیں۔ بہار شریعت میں عمل کثیر کی وضاحت ان الفاظ میں مرقوم ہے: "عمل کثیر کہ نہ اعمال نماز سے ہو نہ نماز کی اصلاح کے لیے کیا گیا ہو، نماز فاسد کر دیتا ہے، عمل قلیل مفسد نہیں، جس کام کے کرنے والے کو دور سے دیکھ کر اس کے نماز نہ ہونے کا شک نہ رہے، بلکہ گمان غالب ہو کہ نماز میں نہیں تو وہ عمل کثیر ہے اور اگر دور سے دیکھنے والے کو شبہہ و شک ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو عمل قلیل ہے۔"

(بہار شریعت، ج1 ص609)

اب ظاہر ہے کہ جیب کے اوپر سے بٹن دبا کر موبائل کی رنگ کو بند کرنا عمل قلیل ہی شمار ہو گا اور اس کی اجازت ہو گی۔ لیکن اگر عمل کثیر کے بغیر موبائل کی رنگ بند کرنا ممکن نہ ہو اور موبائل کی رنگ سلو ہونے کے سبب نمازیوں کی نماز میں خلل بھی واقع نہیں ہو رہا ہے تو اس کو بجنے دیں گے اور نماز مکمل کریں گے لیکن اگر گھنٹی کی آواز تیز ہے جس کی وجہ سے کافی شور ہو رہا ہے اور نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو رہا ہے تو اپنی اور دوسروں کی نماز کو خلل سے بچانے کی ضرورت کے پیش نظر یہ اجازت ہے کہ نماز توڑ کر موبائل فون بند کرے اور پھر از سر نو اپنی نماز شروع کرے۔

رد المحتار علی در المختار میں ہے: "ان القطع یکون حراما و مباحا و مستحبا و واجبا، فالحرام لغیر عذر و المباح اذا خاف فوت مال، و المستحب القطع للاکمال، و الواجب لاحیاء " یعنی: نماز توڑنا کبھی حرام، کبھی جائز، کبھی مستحب اور کبھی واجب ہوتا ہے، اگر بغیر عذر کے ہو تو حرام ہے، اور اگر مال کے فوت ہونے کے خوف سے ہو تو جائز ہے اور نماز کو کامل کرنے کے لیے توڑنا مستحب ہے اور کسی کی جان بچانے کے لیے واجب ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار، ج2 ص52)

بہار شریعت میں ہے: پاخانہ پیشاب معلوم ہوا تو نماز توڑ دینا مستحب ہے بشرطیکہ وقت و جماعت نہ فوت ہو اور پاخانہ پیشاب کی حاجت شدید معلوم ہونے میں تو جماعت کے فوت ہونے کا بھی خیال نہ کیا جائے گا، البتہ فوت وقت کا لحاظ ہو گا" (بہار شریعت، ج1 ص637)۔ ان فقہی جزئیات سے معلوم ہوا کہ نماز کو کامل کرنے کے لیے نماز توڑنے کی اجازت ہے۔ لہذا موبائل فون کی رنگ بجنے کی صورت میں اگر اپنی اور دوسرے نمازیوں کی نمازوں میں خلل واقع ہو تو نمازیوں کی نماز کو خلل سے بچانے کے لیے نماز توڑ کر موبائل فون بند کرنے کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

☆☆☆☆☆☆☆

کاہنوں کو ہاتھ دکھانا کیسا ہے؟

سوال: میرے کالج میں کچھ دوست ایک جوتش سے ہاتھ دکھاتے ہیں، وہ ان کے بارے میں کچھ پیشین گوئی کرتا ہے، میرے دوست مجھے بھی ہاتھ دکھا کر پوچھنے کے لیے کہتے ہیں لیکن میں نے ایسا کبھی کیا نہیں، دوستوں نے بتایا کہ وہ ہمارے تعلق سے عجیب و غریب بات بتاتا ہے تم سن کر حیران رہ جاؤ گے، اس کی باتیں صحیح بھی ہوتی ہیں، مجھے دریافت یہ کرنا ہے کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ بیان فرما دیں تاکہ میں اس پر عمل کروں اور اپنے دوسرے مسلم دوستوں کی بھی اس کی روشنی میں رہنمائی کروں؟ برائے کرم جواب جلدی دیجیے گا۔ **محمد بلال غوثی، سورج پورہ**

الجواب: کاہن اور عراف وہ شخص ہے جو بعض اسباب و مقدمات کے ذریعہ بعض چیزوں کی معرفت حاصل کر لیتا ہے، اس کی بعض باتیں واقع کے مطابق ہو بھی جائیں تو اکثر جھوٹ اور فریب پر مبنی ہوتی ہیں، شریعت مطہرہ نے ان سب کی تکذیب کی ہے

اور ایسوں سے دور و نفور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے "عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أُمُورًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ، قَالَ: «فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ»

(صحيح مسلم بَابُ تَحْرِيمِ الْكَهَانَةِ وَإِتْيَانِ الْكُهَّانِ۔ج4 ص 1748۔المكتبة الشامله)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں کچھ کام کرتے تھے، ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کاہنوں کے پاس نہ جاؤ۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَتَى كَاهِنًا، فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ» (سنن ابن ماجہ، بَابُ النَّهْيِ عَنْ إِتْيَانِ الْحَائِضِ) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کے کہے کہ تصدیق کرے تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے ہوئے کا انکار کیا۔

صحیح مسلم میں یہ روایت بھی موجود ہے: «مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»

ترجمہ: جو شخص کاہن کے پاس آکر اس سے کوئی بات پوچھے تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کی جائیں گی۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ کاہن یا جوتشوں سے ہاتھ دکھانے کی شریعت مطہرہ میں ہرگز ہرگز اجازت نہیں۔

حضرات فقہاء نے نیت کے اعتبار سے جوتشوں کو ہاتھ دکھانے کے درج ذیل احکام بیان کیے ہیں۔

(1) کاہنوں اور جوتشوں سے ہاتھ دکھانا اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ جو یہ بتائے گا وہ قطعا یقینا حق ہو گا تو 'یہ کفر ہے۔

(2) اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو لیکن صرف رغبت و شوق کی وجہ سے دیکھا رہا ہے، تو یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

(3) اور اگر مذاق کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔

(4) اور اگر کاہن کو ہاتھ دیکھانا اس کو عاجز کرنے کے لیے ہو تو اس صورت میں ہاتھ دیکھانے میں کوئی حرج و مذائقہ نہیں ہے۔ لیکن بقصد تعجیز ہاتھ دکھانا کم ہی پایا جاتا ہے عموما میل و رغبت کے ساتھ ہی دکھایا جاتا ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے۔

سیدی اعلی حضرت رحمہ اللہ اسی قسم کے ایک جواب میں رقم طراز ہیں: "کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھا کر تقدیر کا بھلا برا دریافت کرنا اگر بطور اعتقاد ہو یعنی جو یہ بتائیں حق ہے تو کفر خالص ہے، اسی کو حدیث میں فرمایا: "فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم " اور اگر بطور اعتقاد و تیقن نہ ہو مگر میل و رغبت کے ساتھ ہو تو گناہ کبیرہ ہے، اسی کو حدیث میں فرمایا: "لم یقبل اللہ لہ صلوۃ اربعین صباحا " اور اگر ہزل و استہزاء ہو تو عبث و مکروہ حماقت ہے، ہاں اگر بقصد تعجیز ہو تو حرج نہیں " (فتاوی رضویہ، ج21 ص)

لہذا رغبت و شوق کے ساتھ ان کے پاس جانا، انہیں ہاتھ دکھانا حرام، اشد حرام و گناہ کبیرہ ہے، آپ کے جن مسلمان دوستوں نے دکھایا، انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ و استغفار کریں اور آئندہ کسی بھی جوتش کے پاس جانے اور ان سے حال معلوم کرنے سے مکمل اجتناب و احتراز کریں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

حضور اکرم ﷺ کی شرم وحیا



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب مکرم سید نا رسول اللہ ﷺ کو تمام خصائل حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کا پیکر بنا کر اس خاک دان گیتی پر مبعوث فرمایا چنانچہ آپ کی ذات اقدس میں تمام محاسن وخصائل علی وجہ الکمال اس طرح پر مجتمع ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ وہ احاطۂ بیان میں لائی جاسکتی ہیں اور نہ کسب وحیلہ کی اس جگہ گنجائش ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے انہی اوصاف جلیلہ اور خصائل حمیدہ میں ایک وصف شرم وحیا ہے۔ یہ وصف بھی حضور کی ذات اقدس میں اپنی تمام تر عظمتوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

حضرت علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ (المتوفی:1014ھ) اپنی مشہور زمانہ کتاب "مرقاۃ المفاتیح" میں حیا کا معنی ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں:"الحیاء الایمانی و ھو خلق یمنع الشخص من الفعل القبیح بسبب الایمان "

یعنی: حیا ایسا اخلاق ہے جو ایمان کی وجہ سے انسان کو برے اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتا ہے۔(مرقاۃ المفاتیح۔ج1ص70)

لاریب حضور اکرم ﷺ شرم وحیا اور اس کے تمام گوشوں کے جامع تھے، جھوٹ، غیبت، فحش کلامی وغیرہ اوصاف ذمیمہ سے آپ ﷺ کا دامن عصمت پاک وصاف تھا بلکہ خلاف مروت باتیں بھی آپ ﷺ کے دامن عصمت کو چھو کر گزر نہ سکیں۔ اس سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت برہان ہے:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے، نہ فحش کے پاس جاتے تھے، نہ بازاروں میں شور وشغب کرتے تھے، برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے "(سنن الترمذی)

اب محبت کی عینک لگا کر قرآن مقدس کا یہ اعلان بھی پڑھیں جو حضور اکرم ﷺ کی بے مثال شرم وحیا اور اعلی اخلاق و کردار کا آئینہ دار ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:"بے شک تمہاری یہ بات نبی کو ایذا پہنچاتی ہے لیکن وہ تم لوگوں سے حیا کرتے ہیں"

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"جب سید عالم ﷺ نے سیدہ زینب کو بحکم ربانی نکاح کے لیے قبول فرمایا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ولیمہ کی دعوت دی، ولیمہ کا کھانا تناول کرنے کے بعد بعض صحابہ وہیں رک کر محو گفتگو ہو گئے، گفتگو نے طول پکڑا جس کے سبب رسول اللہ نے تنگی محسوس کی لیکن شرم و حیا کی وجہ سے حضور ﷺ نے انہیں جانے کے لیے نہیں فرمایا، کافی دیر کے بعد وہ اصحاب گئے جس کے بعد حضور نے حضرت زینب کو شرف خلوت بخشا، اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(روح البیان)

اور اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کے مقام حیا کو بیان فرمایا کہ رسول مکرم اپنے اوپر حرج اور تکلیف کو بھی مسکراتے ہوئے لبوں کے ساتھ برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنے غلاموں کی دل جوئی کا خیال کرتے ہوئے انہیں اپنے پاس سے جانے کو نہیں کہتے ۔ اپنے غلاموں کے ساتھ حیا کا یہ مبارک انداز و اسلوب صرف سید عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا امتیازی پہلو ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جن کا شمار اجلہ صحابہ میں ہوتا ہے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے محاسن اخلاق کا قریب سے نظارہ کرنے کے بعد حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی جو تصویر کشی کی ہے اس کا صرف ایک حصہ چشم سرور سے پڑھیں اور حضور ﷺ کی شرم و حیا کا اندازہ کریں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "آپ ﷺ کنواری پردہ نشیں عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے"۔

(صحیح بخاری، 3562)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حضور اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں اور آپ نے حضور کی خلوت کے ساتھ ساتھ جلوت بھی ملاحظہ کیا ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کی بے مثال شرم و حیا کا تذکرہ کرتی ہوئی بیان کرتی ہیں "میں نے کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ستر نہ دیکھا"(ابن ماجہ)

یہ بیان اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، انہیں حضور کے ساتھ خلوت میں رہنے کا شرف و اعزاز حاصل ہے، عموماً جلوت میں بے ستری نہ ہو، اس کا خیال رکھنا آسان ہوتا ہے لیکن خلوت میں ستر پوشی کا پاس مقرب بارگاہ الٰہی کا ہی خاصہ ہے اور پھر بیوی سے بھی ستر پوشی کا لحاظ اخلاق نبوت اور حیائے مصطفوی کا حصہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:"رسول اللہ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ عمداً فحش بات کہتے اور بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ اس کو معاف کر دیتے، در گزر فرماتے تھے"

(شمائل ترمذی، رقم الحدیث:201)

شمائل ترمذی کی درج ذیل روایت بھی اس باب میں خوب ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے:"حضور ﷺ حیا کی وجہ سے کسی کے چہرے پر نظر جما کر باتیں نہ فرماتے تھے"۔(شمائل ترمذی، رقم الحدیث:336)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ شرم وحیام کے پیکر تھے اور آپ ﷺ حیا کی اتنی بلند منزلوں پر فائز و سر فراز تھے کہ عقلیں ان کے ادراک سے عاجز و قاصر نظر آتی ہیں۔

شرم وحیا حضور اکرم ﷺ کا عظیم ترین وصف ہے، اس لیے حضور ﷺ نے اپنی امت کو بھی اس وصف عظیم سے متصف ہونے کی شدید تعلیم و تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ حیا کی اہمیت و افادیت سے امت کو روشناس کراتے ہوئے رسول رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر دین میں حسن اخلاق کی صفات میں سے ایک اہم صفت ہوتی ہے۔ جبکہ اسلام میں حسن اخلاق کی اہم ترین صفت 'حیاء' ہے۔" (سنن ابن ماجہ)

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'حیاء' کو پورا دین قرار دیا ہے چنانچہ حضرت قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کے سامنے 'حیاء' کا ذکر کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا حیاء دین میں سے ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء تو پورا دین ہی ہے۔

(صحیح الترغیب والترہیب)

صحیح مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "اور حیاء ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے"

(صحیح مسلم 35)

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری آدمی کے پاس سے ہوا جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا۔ (یعنی اسے کہہ رہا تھا کہ تم ہر وقت شرماتے ہی رہتے ہو اور حیاء کی وجہ سے فلاں فلاں کام نہیں کرتے......) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان میں سے ہے"۔ (صحیح بخاری۔16)

درج بالا روایات بطور نمونہ پیش کی گئیں ہیں ورنہ اس طرح کی کثیر روایات کتب حدیث وسیر کی زینت ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو زیور حیا سے آراستہ ہونے کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ الغرض حیا اخلاق نبوت کے شجرۃ الخلد کا وہ گل سر سبد ہے جس کی عطر بیزیوں سے گلشن شرم وحیا معطر ہے اور قیامت تک اس کی عطر بیزیاں گلشن شرم وحیا کو معطر کیے رہیں گی۔

نیچی نظروں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کے رفعت پہ لاکھوں سلام

مولانا غلام محی الدین وافی، اڈیٹر



حضور ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ اُمت کے تمام نیکوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ وہ مقدس جماعت ہے جنھوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے بہ حالت ایمان چہرۂ نبوت کا دیدار کیا، اپنے کانوں سے بہ زبانِ نبی ﷺ وحی الٰہی سننے کی سعادت حاصل کی، اور اپنے دلوں میں ایمان کو اس طرح بٹھایا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں بھی انہیں ایمان سے متزلزل نہ کر سکیں، جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے **اصحابی کاالنجوم** سے خطاب کیا، اس مقدس جماعت میں سب سے نمایاں نام افضل البشر بعد الانبیاء، خلیفۂ اول، امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے اور کیوں نہ ہو کہ انھوں نے رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ سے زندگی کے شب و روز کے اسالیب سیکھے اور ان کی تربیت خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت ۵۷۴ء میں واقعۂ فیل سے تین سال بعد ہوئی آپ کا اسم گرامی عبد اللہ کنیت ابو بکر اور القاب صدیق اور عتیق ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اگر کسی نے بلا جھجک قبول اسلام کیا تو وہ آپ کی ذات بابرکات ہے اسی لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق کے علاوہ کوئی شخص نہیں جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی ہو اور اس نے بغیر تامل، سوچ وبچار اور غور و فکر کے اسلام قبول کر لیا ہو۔ آپ کو اللہ رب العزت نے ایک ایسا شرف بخشا ہے جو آپ کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہوا اور وہ یہ کہ آپ خود بھی صحابی اور آپ کے والد بزرگوار بھی صحابی آپ کے بیٹے بھی صحابی اور پھر آپ کے پوتے بھی صحابی آپ کی بیٹیاں بھی صحابیات حتیٰ کہ ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے اور آپ کے نواسے بھی صحابی۔

تبلیغ دین:

یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو بے پناہ تقویت پہنچی، آپ کی ذات گرامی سفر وحضر میں حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کے ساتھ شانہ بہ شانہ رہی اور اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اہم کردار ادا کیا جو تاریخ اسلام

میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، آپ خود بھی قریشی تھے اور قریش مکہ میں بلند وبالا مقام و مرتبہ کے حامل تھے یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کی نگاہیں آپ کی عزت و تکریم میں جھکی رہتی تھیں اور آپ کی تبلیغ و اشاعت سے بنی امیہ، بنی اسد، بنی زہرا اور بنی تمیم کے کئی عمائدین بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے لوگوں کو دعوت اسلام دی تو سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر ابن عوام اور حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنھم نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان ابن مظعون، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت ابو سلمہ اور حضرت ارقم نے اسلام قبول کر لیا۔

آپ کی شان میں نازل ہونے والی قرآنی آیات:

اللہ تبارک و تعالی نے آپ کو مقام رفیع نوازا ہے، آپ کی شان میں قرآن مجید کی کئی آیات نازل ہوئیں

"إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" (سورۃ التوبہ:40)

ترجمہ جب نبی اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے: غم نہ کر، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت سفر ہجرت میں غارِ ثور کے قیام کے دوران نازل ہوئی۔ اس میں "صاحب" سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں "رسول اللہ ﷺ کے ساتھی" کہہ کر یاد فرمایا۔ یہ ان کی رفاقتِ مصطفیٰ ﷺ اور ایمانِ کامل کی عظیم دلیل ہے۔

"وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (١٧) الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى (١٨) وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى (١٩) إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى (٢٠) وَلَسَوْفَ يَرْضَى (٢١)" (پ30، اللیل:17 تا 21)

ترجمہ: اور عنقریب سب سے بڑے پرہیز گار کو اس آگ سے دور رکھا جائے گا، جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ اسے پاکیزگی ملے اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جانا ہو، صرف اپنے سب سے بلند شان والے رب کی رضا تلاش کرنے کے لیے اور بیشک قریب ہے کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

شانِ نزول: جب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کو بہت مہنگی قیمت پر خرید کر آزاد کیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور اُنہوں نے کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ شاید بلال کا اُن پر کوئی اِحسان ہوگا، جو اُنہوں نے اتنی مہنگی قیمت دے کر انہیں خریدا اور آزاد کر دیا۔ اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور اِن میں یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے اِحسان کا بدلہ نہیں اور نہ اُن پر حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔ (تفسیرِ خازن، 4/385)

"وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ"

(سورۃ النور:22)

ترجمہ: اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی۔

شانِ نزول: جب حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی مالی مدد روک دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "فضل والے لوگوں کو چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔" اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "أُولُو الْفَضْلِ وَالسَّعَةِ" یعنی "فضل و وسعت والے" فرمایا۔

آپ کی شان میں احادیث کریمہ:

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں کثیر روایات ہیں، صرف دو روایت ذیل میں ملاحظہ کریں۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ولو کنت متخذاً خلیلاً، لاتخذتُ أبابکر خلیلاً۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:۹۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا، تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔

"اقتدوا باللذين من بعدي: أبي بكر وعمر" (ترمذی، حدیث 3662)

ترجمہ: میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتداء کرو۔

"إن أمنّ الناس عليّ في صحبته وماله أبو بكر" (بخاری، حدیث 466)

ترجمہ: لوگوں میں مجھ پر اپنی رفاقت اور مال کے لحاظ سے سب سے زیادہ احسان ابو بکر کا ہے۔

وفات: آپ نے ۲۱ / جمادیٰ الآخرۃ ۱۳ ہجری بروز دوشنبہ مغرب وعشاء کے درمیان اس داری فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو مبارک میں مدفون ہوئے۔

محبوب رب عرش ہے اس سبز قبہ میں
پہلو میں جلوہ گاہ عتیق و عمر کی ہے

کارنامے:

آپ نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

غار ثور میں آپ ہی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر اصحاب رسول کو دلاسہ دیا۔

منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد کیا۔

جب جنگ یمامہ میں کثیر تعداد میں حفاظ شہید ہو گئے تو پھر جمع قرآن کا ایک بڑا کارنامہ انجام دیا۔

آپ نے دو سال تین مہینے حکومت کی جن میں ایران، روم، شام، بحرین وغیرہ کو فتح کیا۔

آپ نے جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف جہاد کیا۔

الحاصل یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: ایمان میں سب سے پہلے، قربانی میں سب سے آگے، عمل میں سب سے پاکیزہ اور قیادت میں سب سے عادل تھے۔ اگر ہم اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو یقینا اسوۂ صدیق اکبر ہمارے لیے کافی ہو گا اللہ کریم ہمیں اسوۂ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ پر زندگی کے شب و روز گزارنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے ۔آمین بجاہ سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ، سوزِ صدیق دے

☆☆☆☆☆☆

صدیقِ اکبر کے احسانات

نبیِّ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھ پر جس کسی کا احسان تھا میں نے اس کا بدلہ چُکا دیا ہے، مگر ابو بکر کے مجھ پر وہ احسانات ہیں جن کا بدلہ اللہ پاک اُنہیں روزِ قیامت عطا فرمائے گا۔

(ترمذی)

مفتی ازہار احمد امجدی ازہری، مرکز تربیت افتاء اوجھاگنج



اصلاح خودی کا عملی فقدان
سماجی بے راہ روی کا عصری سبب

دو اور دو چار کی طرح یہ واضح حقیقت ہے کہ جہاں سماج کی بے راہ روی کے دیگر بہت سارے اسباب ہیں، وہیں پر اس سماج کی بے راہ روی کا بہت بڑا سبب مسلم سماج میں اصلاح خودی، اپنی تربیت اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کے جذبہ کا فقدان ہے، آج عموماً حساس، سمجھدار، عقلمند اور عالم سمجھے جانے والے طبقہ بلکہ بہت سارے انپڑھ لوگوں کی یہ دیرینہ خواہش ہے کہ سماج میں سدھار آئے، اچھائیاں پیدا ہوں، برائیاں دفن ہو جائیں، اختلافات کا نام و نشان نہ رہ جائے اور لوگ الفت و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزاریں، مگر معاملہ یہ ہے کہ یہ دنیا عملی اقدام کی زندگی ہے، جو کم بولتا ہے یا بولنے کے ساتھ عمل پیہم کرتا ہے وہی ترقی کے راستے ہموار کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود تک پہونچ جاتا ہے، جب زندگی حقیقت میں عملی زندگی ہی کا نام ہے؛ تو محض خواہشات سے صالح معاشرہ اور پاک و صاف سماج کا پایا جانا بہت مشکل بلکہ تقریباً سراب ہے، اگر صالح سماج کی خواہش ہے جو کامیابی کا پہلا زینہ ہے؛ تو دوسرے زینہ یعنی عملی اقدام کی طرف بھرپور توجہ دینی ہوگی، پھر آخری زینہ خلوص کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دے کر اس اہم امر کی تکمیل ہو سکے گی، عملی اقدام اور خلوص کے بغیر اس اہم امر کا حصول بہت بعید ہے، اس سماج کی اصلاح کی شروعات حقیقت میں فرمان رب تعالی کے مطابق اصلاح خودی کی عملی کوشش سے ہوتی ہے، اگر آج بھی ہر انسان عام ہو یا خاص، عالم ہو یا غیر عالم، صرف اپنی اصلاح کر لے، معاشرہ صالح ہو کر پاک اور صاف ستھرا ہو جائے گا، مگر آج عموماً خواص و عوام کا عجیب حال ہے، ستھرا سماج چاہیے مگر خود ہی سماج گندہ کرنے کا سبب بنے ہوئے ہیں، پاک و صاف معاشرہ چاہیے مگر خود ہی معاشرہ کو پراگندہ کیے ہوئے ہیں، اختلاف نہیں چاہیے مگر بلاوجہ خود ہی اختلاف کو بڑھاوا دے رہے ہیں؛ جب خود کی عملی اصلاح کا فقدان ہے؛ تو محض خواہش و تمنا سے صالح معاشرہ کیوں کر پرورش پا سکتا ہے؟! عموماً اس خودی کی اصلاح میں عوام ہے؛ تو عام طور سے جہالت اور نادانی کارفرما ہوتی ہے اور اس اصلاح میں خواص ہے؛ تو انانیت، تکبر، گھمنڈ، غرور، تعصب بے جا، حصول دنیا، سستی شہرت، طلب جاہ، قولی شریعت کا مالا جپنا اور عملی شریعت کا معدوم ہونا وغیرہ آڑے آتے ہیں، حالاں کہ ہر ایک مسلم خواہ عوام ہو یا خواص، اس کا ہر معاملہ میں نصب العین عملی طور پر

شریعت اسلامیہ ہی ہونی چاہیے، خودی کی اصلاح ہو یا غیر کی، مطمح نظر قانون شریعت ہی ہونا چاہیے تا کہ حقیقی معنوں میں قوانین اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا حق ادا ہو سکے، لیکن ایسا نہیں ہوتا اور اگر ایسا نہیں ہوتا ہے، تو مسلمان یاد رکھیں کہ انہیں کبھی بھی صالح معاشرہ نہیں مل سکتا، ان کے لیے صاف ستھرا سماج کی بازیابی نہیں ہو سکتی اور جب سماج پاک نہیں ہو گا؛ تو یوں ہی اتھل پتھل مچی رہے گی، قرار نہیں ملے گا، سکون غارت ہو جائے گا اور پریشانیاں بڑھتی جائیں گی؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ پہلے خودی کی اصلاح کریں پھر دوسرے کی طرف حکمت کے ساتھ توجہ دیں، ان شاء اللہ صالح معاشرہ ملنے کے ساتھ قلبی سکون میسر آئے گا، جہان اولیا کے آج کی اس بزم میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس اہم موضوع 'اصلاح خودی کا عملی فقدان' پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا، لکھتا ہوں درد دل کی بات، شاید کی رفتہ رفتہ لگے۔۔۔۔۔۔۔**و ماتوفیقی إلا باللہ، علیہ توکلت و إلیہ أنیب۔**

خودی کی اصلاح دوسرے کی اصلاح پر مقدم ہے؛ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے بندہ کو جگہ جگہ اپنے لیے دعا کرنے کی تعلیم دی، اے اللہ ہمیں ہدایت دے، ہمیں سیدھا راستہ چلا اور ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور حکم دیا کہ تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ؛ کیوں کہ جب ہر فرد خود کی اصلاح کرلے گا؛ تو پھر مزید اصلاح کی ضرورت نہیں رہ جائے گی مگر ایسا بظاہر ممکن نہیں کہ ہر شخص بذات خود اپنی اصلاح کرلے؛ اس لیے ان کی اصلاح کے لیے علمائے کرام ہیں، انہیں چاہیے کہ پہلے اپنی اصلاح کرلیں پھر دوسرے کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں تا کہ قرآن پاک پر عمل ہونے کے ساتھ ساتھ بات باثر اور نتیجہ خیز ہو، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ } (التحریم:٦٦، آیت:٦)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے پہلے خود انسان کی اپنی ذات کو مقدم کرکے اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی طرف توجہ دلائی، اس کے بعد گھر والوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنے کا ذکر کرکے بحیثیت ذمہ دار اس کو اس امر عظیم کی طرف مبذول کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ وہ اپنی خودی کا علاج کرے، اس کو سنوارے اور اس کو شریعت اسلامیہ کا عملی طور پر پابند بنائے، پھر اس کے بعد دوسروں کی طرف حکمت و موعظت کے ذریعہ متوجہ ہو تا کہ اس کی توجہ رائگاں ہونے کے بجائے ثمر بار اور مفید تر ہو۔

دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: { یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ } (المائدة:٥، آیت:١٠٥)

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو تم سب کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا جو تم کرتے تھے (کنز الایمان)

اللہ تعالی نے یہاں پر بھی خود انسان کی ذات کو مقدم رکھ کر یہ بتادیا کہ جب دیکھو کہ لالچی کی اطاعت اور خواہشات کی اتباع کی جارہی ہے، دنیا کی تقدیم عوام وخواص کا مقدر بن چکا ہے اور ہر ایک کو صرف اپنی رائے ہی بھاتی ہے؛ تو تم اس وقت صرف اپنے نفس کی حفاظت کرو، اسے گمراہ ہونے سے بچاؤ، اسے ظلم کرنے سے روکو، اسے باتونی کے بجائے عملی پیکر بنائے رہو، اسے میں میں کرنے کے بجائے عاجزی وانکساری کا خوگر کرو، اگر تم نے ایسا کیا؛ تو دوسرے لوگوں کا گمراہ ہونا یا راستہ سے بھٹک جانا، تمہیں کوئی ضرر نہیں دے گا؛ اس لیے ایک انسان کو سب سے پہلے اپنے نفس کو شریعت کا پابند بنانا چاہیے، یہی طریقہ مفید اور زیادہ کار آمد ہے۔

انسان صرف اپنے نفس کا مسؤل:

نیز خود ہر انسان سے اسی کے بارے میں سوال کیا جاے گا کہ اس نے کیا اچھا کیا اور کیا برا کیا، اسی کو ہی اپنے کیے کا فائدہ اور نقصان ملے گا، نیکی اور نیکوں کا راستہ اختیار کیا ہے؛ تو اسی کی دنیا بنے گی اور آخرت بھی اسی کی بلند ہوگی اور اگر برائی اور بروں کا راستہ چنا ہے؛ تو اسی کی دنیا خراب ہوگی اور اسی کی آخرت کا انجام اچھا نہ ہوگا؛ اس لیے بھی ایک انسان کو سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے، پھر حتی المقدور دوسروں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے تا کہ یہ کوشش فائدہ مند ہو اور اس کی دنیا و آخرت دونوں سنورتی نظر آئے، اس کے متعلق آیات مبارکہ بہت ہیں مگر یہاں پر دو چند ہی ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

{قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ }

(البقرۃ:۲، آیت:۱۳۹) ترجمہ: تم فرماؤ کیا اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالاں کہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ اور ہم نرے اسی کے ہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے بندوں کو یہ بتادیا کہ ہر ایک کا عمل خود اس کے ساتھ ہوگا، اگر بندہ اپنے عمل میں مخلص ہے؛ تو اسی کو دنیا و آخرت میں عزت وشوکت ملے گی اور اگر مخلص نہیں؛ تو خود اسی کو دنیا و آخرت میں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا؛ اس لیے ہر انسان کو پہلے اپنے کردار و عمل کی طرف توجہ دے کر اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: {وَمَن يَعْمَلْ سُوءاً أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّهَ يَجِدِ اللّهَ غَفُوراً رَّحِيماً} (النساء:۴، آیت:۱۱۰)

ترجمہ: اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ (کنز الایمان)

ہر وہ شخص جو برائی کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے؛ تو اس برائی اور ظلم کا نقصان اسی کو پہونچے گا، پھر اگر اللہ تعالی کی طرف سے اسے توفیق ملی اور اس نے توبہ واستغفار کر لیا؛ تو اللہ تعالی اسی پر مغفرت ورحمت کی بارش فرمائے گا؛ اس لیے جس کسی انسان سے غلطی ہو جائے؛ تو پہلے اپنے نفس کی طرف توجہ دے اور توبہ کر کے اسے صلاح وفلاح کا خوگر بنائے اور اسی کے لیے کامیابی وکامرانی کے راستے ہموار کرے۔

اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے: {قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ} (النور:۲۴، آیت:۵۴)

ترجمہ: تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منھ پھیرو تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرماں برداری کروگے راہ پاؤگے اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہونچا دینا۔

سب سے پہلے خود انسان ہی اس آیت کریمہ کا مخاطب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اس پر احکام کی اتباع کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ خود ان کو صحیح طریقہ سے بجالائے، اس میں کوتاہی نہ کرے، اس میں کسی طرح کا خلل نہ آنے دے؛ کیوں کہ اگر ان احکام کی پیروی کرنے میں کسی طرح کا خلل واقع ہوا؛ تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا اور اسے ہی اس خلل کا جواب دہ ہونا پڑے گا؛ اس لیے بھی انسان کو سب سے پہلے اپنی ذات کو ہی سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیے؛ کیوں کہ اپنے نفس کے متعلق حساب وکتاب اسے ہی دینا ہے۔

نیز اللہ عز وجل ارشاد فرماتا ہے: {مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ} (فصلت:۴۱، آیت:۴۶)

ترجمہ: جو نیکی کرے وہ اپنے بھلے کو اور جو برائی کرے تو اپنے برے کو اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (کنز الایمان)

کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جو نیکی ہی کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو برائی ہی کرتے ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی اچھائی ان کی برائی پر غالب ہوا کرتی ہے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی برائی اچھائی پر غالب ہوا کرتی ہے، بہر کیف جو جتنا اچھا اور نیک کام کرتا ہے؛ تو وہ اپنے ہی کو فائدہ پہونچاتا ہے اور جو جتنا برا کرتا ہے وہ صرف اپنے ہی کو نقصان پہونچاتا ہے، اس میں کسی طرح کی کمی یا زیادتی کر کے اللہ تعالی کسی پر ظلم وزیادتی نہیں فرماتا، اس اعتبار سے بھی ایک انسان کو سب سے پہلے اپنی طرف نظر اصلاح کرنی چاہیے؛ کیوں کہ اپنے متعلق اسے ہی جواب دہ ہونا ہے۔

انسان خود دوسرے کے عمل کا مسؤل نہیں:

کوئی بھی انسان کسی دوسرے کی ناکردنی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، اس سے کسی دوسرے بندہ کے بارے میں سوال نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اگر ایسا ہوا؛ تو یہ ایک نفس کا بوجھ دوسرے کے نفس پر ڈالنا ہوگا اور اللہ تعالی کو یہ منظور نہیں؛ اس لیے جو بھی

سوال ہو گا وہ خود انسان کے اپنے بارے میں سوال ہو گا، دوسرے کے بارے میں نہیں، اللہ تعالی ارشاد فرماتاہ: {قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ} (الأنعام:٦، آیت:١٦٤)

ترجمہ: تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالاں کہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی کچھ کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے وہ تمہیں بتادے گا جس میں اختلاف کرتے ہو۔ (کنز الایمان)

انسان جو بھی گناہ کرے گا، وہ خود اس کا مسؤل ہو گا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ اس سے دوسرے کے عمل کے بارے میں پوچھا جائے کہ فلاں نے ایسا گناہ کیوں کیا، اس نے فلاں بے حیائی کیوں کی، اس نے ظلم کیوں کیا اور فلاں فلاں غلط طریقہ کیوں اختیار کیا؛ کیوں کہ کوئی بھی نفس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور نہ ہی اسے اس کا مکلف بنایا جائے گا؛ اس لیے بھی انسان کو سب سے پہلے اپنے مردہ ضمیر کو جھنجھوڑنا چاہیے، اسے بیدار کرنا چاہیے اور اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے؛ کیوں کہ کل قیامت کے دن اس سے کسی دوسرے کے بارے میں نہیں بلکہ اسی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا غلط کیا اور کونسے صحیح کام انجام دئے۔

نیز اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: {قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ} (سبأ:٣٤، آیت:٢٥)

ترجمہ: تم فرماؤ ہم نے تمہارے گمان میں اگر کوئی جرم کیا تو اس کی تم سے پوچھ نہیں نہ تمہارے کوتکوں کا ہم سے سوال۔

کسی نفس سے دوسرے نفس کے اعمال کے بارے میں کوئی پوچھ تاچھ نہیں ہو گی بلکہ ہر شخص سے صرف اسی کے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ اس لیے بھی انسان کو سب سے پہلے اس معاملہ میں اپنی فکر ہونی چاہیے، اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ عقلمند وہ نہیں جو دوسروں کا محاسبہ کرے بلکہ عقلمند وہ ہے جو ہمیشہ اپنا محاسبہ کرے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، والعاجز من أتبع نفسه هواها وتمنى على الله))

(سنن الترمذی، باب ماجاء فی صفۃ أوانی الحوض، ج٤ ص٦٣٨، رقم:٢٤٥٩)

ترجمہ: عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے، موت کے بعد کے لیے نیک عمل کرے، عقل کے استعمال کرنے سے عاجز وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہش کا تابع بنانے کے ساتھ رب تعالی سے امیدیں باندھے رکھا۔

عقلمند شخص وہ ہے جو اپنے نفس کے اقوال، احوال اور افعال کا محاسبہ کرے، اگر اچھے ہیں؛ تو اسی پر قائم و دائم رہے بلکہ مزید ان اچھائیوں میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے، اور اگر برے ہیں؛ تو فورا رب تعالی کی طرف رجوع لائے، توبہ کرے اور

جو کمی ہوئی، اس کی تلافی کرنے کی پوری کوشش کرے اور عہد کرے کہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا؛ کیوں کہ اپنے ہر آن کا جواب خود اسے ہی دینا ہے، حدیث شریف میں ہے:

عن أبي برزة الأسلمي رحمه الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسأل عن عمره فيما أفناه، وعن علمه فيم فعل، وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه، وعن جسمه فيم أبلاه)) (سنن الترمذی، باب فی القیامۃ، ج۴ص ۶۱۲، رقم:۲۴۱۷)

ترجمہ: حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بندہ کے دونوں قدم اپنی جگہ سے ہٹیں گے نہیں یہاں تک کہ اس سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھ لیا جائے کہ اس نے اسے کہاں فنا کیا، اس کے علم کے بارے میں کہ اس کے مطابق کیا عمل کیا، اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں ختم کیا۔

خود بندہ سے ہی پوچھا جائے گا کہ اللہ تعالی نے جو اسے حیات مستعار دی تھی، اسے کس طور سے استعمال کیا، اللہ تعالی نے اسے جو علم جیسی عظیم نعمت سے نوازا تھا، اس کے مطابق کتنا عمل کیا، مال جو کمایا وہ حلال تھا یا حرام، پھر اسے خرچ کرنے میں شریعت اسلامیہ کا پاس ولحاظ کیا یا نہیں، نیز اللہ تعالی نے جو اسے جسم وصحت عطا کی، اسے کہاں فنا کیا، اپنے جسم وصحت کا ناجائز استعمال تو نہیں کیا، بہر کیف انسان سے اس کے ہر آن اور وقت کا حساب وکتاب ہوگا؛ اس لیے انسان کو چاہیے کہ پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرکے خلاف شرع کام کرنے سے بچے۔

نیز امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حاسبوا أنفسكم قبل أن تحاسبوا وزنوا أنفسكم قبل أن توزنوا، فإن أهون عليكم في الحساب غدا أن تحاسبوا أنفسكم تزنوا للعرض الأكبر يوم تعرضون لا تخفى منكم خافية''۔ (الزہد لأحمد بن حنبل رحمہ اللہ، ص۹۹، رقم:۲۳۶۸)

ترجمہ: اے لوگو! حساب ہونے سے پہلے اپنے نفوس کا محاسبہ کرو، پیمائش سے پہلے اپنے نفوس کی پیمائش کرو؛ کیوں کہ آج تمہارے اپنے نفوس کا محاسبہ کرنا کل کے حساب کے لیے آسانی کا باعث ہے، قیامت کے دن کی پیشی کے لیے اپنے نفوس کی پیمائش کرو جس دن تم سب پیش ہوگے اور کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی۔

ہر ایک کو کل بروز قیامت حساب وکتاب تو دینا ہی ہے؛ لہٰذا امت مسلمہ اگر یہ چاہتی ہے کہ کل بروز قیامت اس کا حساب وکتاب آسان ہو، اس کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں؛ تو آج ہی اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اسے اس ڈگر پر ڈالے جس ڈگر پر اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا حاصل ہو؛ کیوں کہ جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرکے صحیح راستہ پر چلتا ہے وہی متقی وپرہیز گار ہوتا ہے:

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"لا يكون الرجل تقيا حتى يحاسب نفسه محاسبة شريكه، وحتى يعلم من أين ملبسه ومطعمه ومشربه"

(الزہد لوکیع رحمہ اللہ، باب محاسبۃ الرجل نفسہ، ص۵۰۱، رقم:۵۳۹، مکتبۃ الدار، المدینۃ المنورۃ)

ترجمہ: انسان پرہیز گار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے شریک کے محاسبہ کی طرح اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور یہ معلوم ہو کہ اس کا کپڑا، اس کھانا اور پینا کہاں سے ہو رہا ہے۔

اور جو اپنے نفس کا محاسبہ کر کے متقی و پرہیز گار ہوتا ہے، وہی مؤمن کامل ہوتا ہے، اگر اس سے گناہ سرزد ہو جائے؛ تو انہیں پہاڑ جیسا سمجھ کر اس کے نیچے دب کر نیست و نابود ہونے سے ڈرتا ہے اور جو مؤمن کامل نہیں ہوتا اسے نہ تو گناہوں سے ڈر لگتا ہے اور نہ ہی اس کے انجام سے خوف کھاتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"المؤمن يرى ذنوبه كأنه في أصل جبل يخاف أن يقع عليه، وإن الفاجر يرى ذنوبه كذباب وقع على أنفه. فقال به هكذا فطار"

(الزہد لھناد بن السری رحمہ اللہ، باب التوبۃ والاستغفار، ج۲ص۴۴۸، ط: دار الخلفاء، الکویت)

ترجمہ: مؤمن اپنے گناہ کو اس طرح دیکھتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کے نیچے ہے، اسے ڈر ہے کہ کہیں وہ پہاڑ اس پر گر نہ پڑے اور فاجر شخص اپنے گناہوں کو ایک مکھی کی طرح دیکھتا ہے، جو اس کے ناک پر بیٹھی، پھر اس نے کہا ایسے ہی ہے؛ تو وہ مکھی اڑ گئی۔

اور جو فاجر و فاسق ہوتا ہے، اسے صرف دوسرے کے گناہوں کی فکر ہوتی ہے، اپنے عیوب کو بھول جاتا ہے، دوسرے کے متعلق بدگمانی کا شکار رہتا ہے اور اپنے آپ کو یقین کی حد تک سب سے پاک صاف اور اچھا سمجھتا ہے اور تزکیہ نفس کا خوگر ہو کر اس کی غفلت اس قدر بڑھتی ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنا بھول جاتا ہے؛ جس کے سبب اس کے ہاتھ گھاٹے اور خسارے کے سوا کچھ نہیں آتا، بعض علما فرماتے ہیں:

"من علامة المقت أن يكون العبد ذاكراً لعيوب غيره ناسياً لعيوب نفسه ماقتاً للناس على الظن محباً لنفسه على اليقين وترك محاسبة النفس ومراقبة الرقيب من طول الغفلة عن الله عزّ وجلّ والغافلون في الدنيا هم الخاسرون في العقبي لأن العاقبة للمتقين. قال الله عزّ وجلّ: {وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ. لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ} (النحل:۱۶، آیت:۱۰۷ ۱۰۸)

(قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، أبو طالب مکی رحمہ اللہ، الفصل الخامس والعشرون ذکر تعریف النفس، ص۱۵۶، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ترجمہ: بغض کی علامت سے ہے کہ بندہ اپنے عیوب کو بھول کر دوسرے کے عیوب کو یاد رکھنے والا ہو، گمان پر اعتماد کر کے لوگوں سے بغض رکھتا ہو اور یقین کی حد تک اپنے نفس کو محبوب رکھتا ہو، اللہ تعالی کی طرف سے طویل غفلت کے باوجود رقیب

کے مراقبہ اور نفس کے محاسبہ کو بھولا ہوا ہو، اور دنیا میں غفلت برتنے والے ہی آخرت میں گھاٹے سے دوچار ہونے والے ہیں؛ کیوں کہ بہترین انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہے:((اور وہی غفلت میں پڑے ہیں، آپ ہی ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں))۔

دور حاضر میں اکثر عوام اور بہت سارے پیشوا کا یہی حال ہے، پھر انجام کیا ہوگا، قارئین خود سمجھ سکتے ہیں، اپنا محاسبہ چھوڑ کر صرف دوسرے کا محاسبہ کرنا، بہت بری بات ہے، اپنی حرکات قبیحہ چھوڑ کر صرف دوسرے کی حرکات قبیحہ پر نظر رکھنا سخت ناپسندیدہ امر ہے اور اپنے برے اخلاق و کردار کو نظر انداز کر کے صرف دوسرے کے برے اخلاق و کردار پر نظر جمائے رکھنا اللہ تعالی کے غضب کا باعث ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ} (البقرۃ:۲، آیت:۴۴)

ترجمہ: کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالاں کہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ (کنز الایمان)

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ} (الصف:۶۱، آیت:۳) ترجمہ: اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے کتنی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔ (کنز الایمان)

اب آدمی خود ظلم کرے اور دوسرے کو ظلم سے روکے، خود اس کی طرف سے دوسرے کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ نہیں اور دوسرے کی طرف سے انہیں محفوظ رکھنے کی کوشش کرے، خود اس سے اس کے پڑوسی حیران و پریشان رہیں اور وہ دوسرے کو اس کے پڑوسی سے سیکورٹی دینے کی کوشش کرے، خود آدمی لباس پارسائی میں ننگ و عار کا چہرا چھپانے کی کوشش کرے اور دوسرے کو اس طرح کی حرکت سے منع کرے، خود اپنے ماں باپ اور اسلاف کے ساتھ بدزبانی سے پیش آئے اور دوسرے کو بدزبانی سے روکنے کی کوشش کرے، خود گھر، گاؤں، ملک اور معاشرے کو تباہی کے دہانے پر لے جائے اور دوسرے کو اس طرح کی تباہی مچانے سے روکنے کی کوشش کرے، خود قول کا غازی اور عمل سے دور رہے اور دوسرے کو عمل کا غازی بنانے کی کوشش کرے، خود نیک ماں، باپ کی روش سے الگ جا پڑے اور دوسرے پر والدین کی روش سے منحرف ہونے کا الزام لگائے اور خود ایک نفس کا بوجھ دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کرے بلکہ ڈال دے اور دوسرے کو اس طرح کی خلاف قرآن عادت سے روکنے کوشش کرے! اس طرح کا پیمانہ اور اس نوع کا محاسبہ رب تعالی کو سخت ناپسند ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی زندگی سے اصلاح سے کہیں زیادہ فساد پیدا ہوتا ہے، تباہی جنم لیتی ہے اور لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے؛ اس لیے ایک انسان پر

لازم ہے کہ اپنے نفس کی ضرور اصلاح کرے اور ساتھ ہی دوسرے کی بھی اصلاح کرنے کی کوشش کرے؛ کیوں کہ اس کے بغیر اصلاحی کاوش کا فائدہ ہوگا ہی نہیں یا خاطر خواہ نہیں ہوگا، بہر حال پہلے اپنی اصلاح مقصود و محمود ہے۔

لیکن ان آیات، احادیث اور اقوال کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی اپنی اصلاح لاپرواہی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے نہ کر سکے؛ اور وہ دوسروں کی اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ تو وہ دوسروں کی بھی اصلاح نہ کرے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، نہیں اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں؛ کیوں کہ ایک انسان پر دو چیزیں واجب ہیں: ایک اپنے آپ کو شریعت کے دائرے میں رکھنا اور دوسرا لوگوں کو بھی اسی کے دائرہ میں رکھنے کی کوشش کرنا، ایک واجب چھوڑنے کی وجہ سے دوسرے واجب کے چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اگر اپنی اصلاح نہیں کر سکتا؛ تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دوسرے کی بھی اصلاح نہ کرے۔

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

"امر بالمعروف کے واجب ہونے میں خود آمر کا بھی عامل ہونا شرط نہیں بلکہ بغیر عمل بھی امر بالمعروف جائز ہے؛ اس لیے کہ اپنے آپ کو امر بالمعروف کرنا واجب ہے اور دوسرے کو امر بالمعروف کرنا دوسرا واجب ہے، اگر ایک واجب چھوٹ جائے؛ تو دوسرے واجب کا چھوڑنا ہر گز جائز نہ ہوگا اور وہ جو قرآن مجید (الصف:۶۱، آیت:۲، پ:۲۹) میں {لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ} آیا ہے، اگر اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں تسلیم بھی کر لیا جائے؛ تو عمل نہ کرنے پر زجر و توبیخ مراد ہے نہ کہنے پر"۔ (أشعۃ اللمعات / محدث دہلوی، کتاب الآداب، باب الامر بالمعروف، ج۴، ص۱۷۳)

لیکن یہ طریقہ کار مجرمانہ اور عذاب جہنم کو دعوت دینے والا ضرور ہے، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

"دوسروں کو امر و نہی کرنا اور خود اس پر عمل نہ کرنا موجب عذاب ہے، لیکن یہ عذاب عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے، امر و نہی کی وجہ سے نہیں ہے؛ اس لیے کہ اگر امر و نہی بھی نہیں کرے گا؛ تو دو واجب ترک کرنے کے سبب اور زیادہ عذاب کا مستحق ہوگا"۔ (أشعۃ اللمعات / محدث دہلوی، کتاب الآداب، باب الامر بالمعروف، ج۴، ص۱۷۵)

یہیں سے ایسے لوگوں کی غلطی صاف واضح ہو جاتی ہے کہ جب ان سے کہا جائے: آپ کا یہ کام غلط ہے، آپ ایسا نہ کریں؛ تو وہ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ پہلے اپنی غلطی سدھارو پھر دوسرے کی غلطی سدھارنے کی کوشش کرنا؛ کیوں کہ ہر انسان کو یہی دیکھنا چاہیے کہ جو کہا گیا، وہ صحیح ہے یا نہیں، یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ جس نے کہا ہے، وہ باعمل ہے یا نہیں؛ اس لیے کہ اگر چہ اصلاح کی کوشش کرنے والا بے عمل خسارے میں ہے، مگر عمل کرنے میں فائدہ عمل کرنے والے کا ہی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"يجاء بالرجل يوم القيامة فيلقى في النار، فتندلق أقتابه في النار، فيدور كما يدور الحمار برحاه، فيجتمع أهل النار عليه فيقولون: أي فلان ما شأنك؟ أليس كنت تأمرنا بالمعروف وتنهانا عن المنكر؟ قال: كنت آمركم بالمعروف ولا آتيه، وأنهاكم عن المنكر وآتيه"

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النہار، ج۴ص۱۲۱، رقم:۳۲۶۷، ط: دار طوق النجاۃ)

ترجمہ: قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا؛ جس کے سبب اس کی آنتیں تیزی سے باہر نکل پڑیں گی؛ تو وہ انہیں آنتوں میں ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی کے ارد گرد گھومتا ہے، یہ دیکھ کر جہنمی اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! یہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ کیا تم ہمیں بھلائی کا حکم نہیں دیتے تھے اور ہمیں برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ شخص جواب دے گا: میں تمہیں بھلائی کا حکم دیتا تھا مگر میں خود اسے نہیں کرتا تھا اور میں تمہیں برائی سے روکتا تھا مگر میں خود اسے کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا} (الکھف:۱۸، آیت:۱۰۷) ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔ (کنز الایمان)

حاصل کلام یہ ہے کہ دور حاضر میں خود کی اصلاح نہ کرنا سماجی بے راہ روی کا بہت بڑا سبب ہے؛ اس لیے سب پر واجب و لازم ہے، کم از کم ایک رہنما و پیشوا پر تو ضرور لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرے، خود کو زبانی پارسا بنانے کے بجائے عملی پارسا بنائے، اپنے افعال و اقوال میں اختلاف کی بو نہ آنے دے، درون خانہ اور بیرون خانہ میں اتفاق پیدا کرے اور انکساری و عاجزی کے ساتھ ہر طرح سے اپنے آپ کو شریعت اسلامیہ کا پابند بنانے کی کوشش کرتا رہے، پھر حکمت و موعظت کو بروے کار لاتے ہوئے دوسروں کی اصلاح کرنے کی بھی سعی مسعود کرے تاکہ اس کی کاوش ثمر بار ہو، لوگ اسے برائی کے بجائے اچھائی کے معاملہ میں اپنا مقتدی بنائیں، اس کی وجہ سے سماج و معاشرہ میں بے راہ روی پیدا نہ ہو، اس کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا نہ ہو یا اس کی وجہ سے فتنہ و فساد میں مزید مضبوطی نہ آئے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کسی وجہ سے اپنی اصلاح نہ کر سکے؛ تو دوسرے کی اصلاح کرنا بھی چھوڑ دے؛ کیوں کہ یہ عقلمندی نہیں کہ جس چیز کا کُل نہ حاصل ہو سکے بلکہ بعض ہی مل سکے؛ تو اس کا کُل چھوڑ دیا جائے، بلکہ حتی المقدور بعض پر عمل کرتے ہوئے دوسرے کی اصلاح کرے اور جلد از جلد اپنی اصلاح کر کے اپنے آپ کو صالحین کی فہرست میں شامل کر لے، اللہ تعالیٰ قوم مسلم، خاص کر راہنما کو دوسروں کی اصلاح کے ساتھ، اصلاح خودی کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مولانا طفیل احمد مصباحی، سابق مدیر ماہنامہ اشرفیہ



سفر سے متعلق نبی کریم ﷺ کی چند ہدایات

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معلمِ کائنات اور معلمِ آداب واخلاق بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے اسوۂ حسنہ اور آپ کی پاکیزہ زندگی نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری دنیائے انسانیت کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ آپ کی زندگی وبندگی میں امت کے لیے نجات وفلاح کے بیش قیمت سامان موجود ہیں۔ دیگر شعبۂ ہدایات سے قطعِ نظر صرف سفر کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت کو جو بیش قیمت ہدایات سے نوازا ہے، ان پر عمل کر کے ہم سفر کی کلفتوں اور اس کی مشقتوں سے بچ سکتے ہیں۔ سفر کے متعلق چند نبوی ہدایات یہاں پیش کی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

(۱) جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے صحابہ کو الوداع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے: أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَ خَوَاتِيمَ عَمَلِكَ.

(۲) حضور نبی ﷺ سفر کے لیے سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور درج ذیل دعا پڑھتے تھے:

سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَه مُقْرِنِيْنَ وَ إِنَّآ إِلىٰ رَبِّـنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ . اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسأَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰى وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى . اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَ اطْوِ عَنَّا بُعْدَه . اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَ الْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ . اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَ سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَ الْأَهْلِ.

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے لوٹتے تھے تو انہیں کلمات کو دُہراتے تھے اور آخر میں ان کلمات کا بھی اضافہ فرماتے تھے: آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّـنَا حَامِدُوْنَ. (مسلم شریف، کتاب الحج، ص:۵۰۱، رقم الحدیث:۱۳۴۲، مطبوعہ: بیروت)

(۳) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے صحابہ کو تنہا سفر کرنے سے منع فرماتے تھے اور ایک ساتھ سفر کرنے والوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنائیں، چنانچہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ.

(سنن أبي داود، کتاب الجهاد، رقم الحدیث حدیث: ۲۶۰۸، مطبوعہ: بیروت)

(۴) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم فرمائی ہے کہ سفر کرتے ہوئے کسی مقام اور منزل پر اترے تو مندرجہ ذیل دعا پڑھ لے، اس دعا کی برکت سے مسافر وہاں پائے جانے والے وبائی امراض سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ نَزَّلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، لَمْ يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذَلِكَ. یعنی جو شخص کسی بھی منزل پر اترا اور اس نے یہ کلمات کہے: اعوذ بکلمات اللہ...... تو اس شخص کو اس منزل سے چلے جانے تک وہاں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، رقم الحدیث: ۲۷۰۸)

(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے گھر والوں کے پاس اپنے سفر سے رات کے وقت واپس نہ آتے تھے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صبح کے وقت گھر آتے یا شام کے وقت تشریف لاتے تھے۔

(۶) حضور نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رات کے وقت اکیلے سفر کرنے سے منع کرتے تھے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان ہے: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ. یعنی تنہا سفر کرنے کا جو نقصان مجھے معلوم ہے، وہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو کوئی بھی سوار رات کے وقت اکیلے سفر نہ کرے۔

(صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، رقم الحدیث: ۲۹۹۸، مطبوعہ: بیروت)

(۷) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو سفر میں اکٹھا رہنے کا حکم دیا اور الگ الگ ہونے سے منع فرمایا۔ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کسی جگہ پڑاؤ کرتے تو لوگ وادیوں اور گھاٹیوں میں بکھر جاتے تھے۔ اس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: تمھارا ان وادیوں اور گھاٹیوں میں بکھر جانا شیطان کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد جب بھی آپ کسی منزل پر پڑاؤ کرتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دوسرے کے بہت ہی قریب رہتے تھے۔

(سنن أبي داود، کتاب الجهاد، رقم الحدیث: ۲۸۲۸، مطبوعہ: بیروت)

(۸) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ کوئی عورت محرم کے بغیر ایک رات کی مسافت والا سفر نہ کرے۔ جیسا کہ مسلم شریف میں ہے: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ لَيْلَةٍ إِلَّا وَ مَعَهَا رَجُلٌ ذُو حُرْمَةٍ مِنْهَا. یعنی کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک رات کی مسافت طے کرے، مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، رقم الحدیث: ۱۳۳۹، مطبوعہ: بیروت)

(۹) حضور رسول اکرم ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم بھی دی کہ مسافر کا سفر جب ختم ہو جائے اور جس غرض کے لیے اس نے سفر کیا ہے، وہ پوری ہو جائے تو پھر بلا وجہ سفر کو طول دینے کے بجائے وہ اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ آئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ، فَإِذَا قَضٰى نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيُعَجِّلْ إِلٰى أَهْلِهِ. یعنی سفر تو عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، جو تمہاری نیند اور کھانے کو روک دیتا ہے، اس لیے جب تم میں سے کوئی شخص دورانِ سفر اپنی ضرورت پوری کر لے تو جلد اپنے گھر لوٹ آئے۔

(صحیح البخاری، کتاب الأطعمة، رقم الحدیث: ۵۴۲۹، مطبوعہ: بیروت)

(۱۰) جمعرات کے دن سفر کیا جائے کہ یہ مسنون ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور سید عالم ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے جمعرات کے دن روانہ ہوئے اور آپ ﷺ جمعرات کے دن سفر کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

(بخاری شریف، کتاب الجهاد، رقم الحدیث: ۲۹۵۰، مطبوعہ: بیروت)

شیخ ابو طاهر مجد الدین فیروز آبادی "سفر السعادة" میں لکھتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسفار کی چار قسمیں ہیں: سفر ہجرت، سفر حج، سفر عمرہ، سفر جہاد۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: و كان يسافر أول النهار و يحب أن يسافر في يوم الخميس. یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن کے ابتدائی حصے میں سفر فرماتے اور جمعرات کے دن سفر کرنے کو پسند فرماتے۔

(سفر السعادة، ص: ۱۰۳، مطبوعہ: مرکز الکتاب للنشر، قاہرہ)

تسبیح فاطمہ کی فضیلت

امیر المؤمنین حضرتِ سیّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں غلام آئے، جب یہ خبر حضرتِ فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو ملی تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بارگاہِ رسالت میں خادمہ مانگنے کے لئے حاضر ہوئیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ فرمایا: جب سونے کے لئے بستر پر جاؤ تو 33 مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ، 33 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور 34 مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادمہ سے بہتر ہے۔

مولانا ریاض الدین امجدی، لوساکا زامبیا



کردار کی تعمیر: ایک کامیاب نوجوان کی پہچان

کردار انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جو انسان کے باطن کو نکھارتا، اس کے اعمال کو سنوارتا اور اس کے وجود کو وقار عطا کرتا ہے۔ علم، دولت، شہرت، یا اقتدار اگر کردار سے خالی ہوں تو وہ عارضی اور بے معنی ہیں۔ ایک نوجوان کی اصل کامیابی نہ اس کے لباس، شہرت یا منصب میں ہے بلکہ اس کے کردار، ایمان، اخلاص اور اخلاق میں ہے۔ کردار ہی وہ بنیاد ہے جس پر ایک مضبوط اور پائیدار زندگی کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔

کردار کی معنویت اور اسلامی تصور

اسلام کی پوری عمارت اخلاق و کردار پر قائم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" :میں اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ "(مسند احمد)۔ یہ ارشاد دراصل اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام کا مقصد صرف عبادت کے ظاہری اعمال نہیں بلکہ انسان کے اندرون کو پاکیزہ بنانا اور اس کے اخلاق کو بھی کامل کرنا ہے۔

قرآن کریم میں بھی کامیابی کا معیار ایمان اور عملِ صالح کو قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا"

ترجمہ: بے شک کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کیا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے آلودہ کیا۔

یہ آیت دراصل کردار کی پاکیزگی کو انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار قرار دیتی ہے۔ کردار ہی انسان کی روحانی طاقت ہے، جو اسے باوقار، خوددار اور دوسروں کے لیے مفید بناتی ہے۔

کردار کی تعمیر کی بنیادیں

کردار سازی ایک جامع اور ہمہ گیر عمل ہے جو زندگی کے ہر پہلو میں جاری رہتا ہے۔ اس کی بنیادیں ایمان، علم، تربیت اور عمل پر قائم ہیں۔

ایمان و تقویٰ:

کردار کی بنیاد ایمان و تقویٰ پر ہے۔ ایمان انسان کے اندر وہ احساسِ ذمہ داری پیدا کرتا ہے جو اسے ظلم، فریب، اور گناہ سے روکتا ہے۔ متقی انسان ہمیشہ اپنے رب کے حضور جواب دہی کا احساس رکھتا ہے۔ یہی احساس اس کے کردار کو صالح بناتا ہے۔

علم و شعور:

علم روشنی ہے، اور جہالت اندھیرا۔ علم کردار کو وسعت دیتا ہے، انسان کو شعورِ حق و باطل عطا کرتا ہے، اور اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ لیکن وہ علم جو کردار نہ سنوارے، وہ علم نہیں بلکہ بوجھ ہے۔ جیسا کہ امام غزالی نے فرمایا:

"علم اگر عمل کے بغیر ہو تو وبال ہے، اور عمل اگر علم کے بغیر ہو تو گمراہی ہے۔"

والدین و اساتذہ کی تربیت:

گھر بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔ والدین اگر خود سچائی، امانت، صبر اور عدل کا مظہر ہوں تو وہی صفات بچوں کے دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح استاد محض علم کا ذریعہ نہیں بلکہ کردار کا معمار ہے۔ ایک صالح استاد قوم کے مستقبل کو تشکیل دیتا ہے۔

معاشرہ و صحبت:

صحبت انسان کے اخلاق پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ جیسی صحبت ویسا اثر۔ نیک اور صالح افراد کی رفاقت کردار کو جِلا بخشتی ہے، جبکہ بُری صحبت انسان کو گمراہی کی طرف دھکیلتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل."

ترجمہ: انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا دیکھو تم کس سے دوستی کرتے ہو۔

عمل اور جہدِ مسلسل:

کردار سازی کوئی وقتی مرحلہ نہیں بلکہ زندگی بھر جاری رہنے والا عمل ہے۔ انسان اپنے عمل سے ہی اپنی شخصیت تعمیر کرتا ہے۔ صداقت، دیانت، حلم، سخاوت، صبر، اور عدل جیسے اوصاف مسلسل تربیت سے نشوونما پاتے ہیں۔ ہم خود کو بہتر بنالیں، زمانہ خود بہتر ہو جائے گا۔

کامیاب نوجوان کی پہچان، اہمیت اور تحریک

نوجوانی زندگی کا سب سے قیمتی دور ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب انسان کے ارادے مضبوط، خواب روشن اور جذبے بلند ہوتے ہیں۔
اگر اس عمر میں کردار مضبوط ہو تو انسان پوری قوم کے لیے مشعلِ راہ بن جاتا ہے۔
کامیاب نوجوان کی پہچان اس کی گفتگو، برتاؤ، سوچ، اور طرزِ عمل سے ظاہر ہوتی ہے:
وہ سچ بولتا ہے، کیونکہ سچ کردار کی بنیاد ہے۔

وہ وقت کا پابند ہے، کیونکہ وقت کی قدر دین کا حصہ ہے۔

وہ والدین، اساتذہ اور بڑوں کا احترام کرتا ہے، کیونکہ ادب ہی انسان کو بلندی عطا کرتا ہے۔

وہ محنت و دیانت کو کامیابی کا راستہ سمجھتا ہے، نہ کہ چالاکی اور دھوکے کو۔

وہ قوم و ملت کی خدمت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے، کیونکہ اجتماعی بھلائی ہی انفرادی عظمت کا ضامن ہے۔

حضرت علی کا فرمان ہے: "جس نے اپنے نفس پر قابو پالیا، وہ سب سے بڑا فاتح ہے۔ "یہی نوجوان کی کامیابی کی اصل پہچان ہے —خود پر قابو، خواہشات کی تربیت، اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ قوم کی ترقی کا راز اس کے نوجوانوں کے کردار میں پوشیدہ ہے، نہ کہ ان کے نعرے یا وعدوں میں۔"

جدید دور میں کردار کے بحران اور اس کے حل

آج کے دور میں مادیت، سوشل میڈیا، اور لذت پرستی نے نوجوانوں کے کردار کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ علم زیادہ ہے مگر عمل کم، باتیں بہت ہیں مگر اخلاق نایاب۔ اس دور کے نوجوان کو کردار کی جنگ دراصل اپنے نفس اور معاشرتی دباؤ کے خلاف لڑنی ہے۔

چیلنجز:

- ❖ اخلاقی زوال اور جھوٹ کا عام ہونا۔
- ❖ سوشل میڈیا کے ذریعے نمود و نمائش کا رجحان۔
- ❖ دولت، طاقت اور شہرت کو کامیابی کا معیار سمجھنا۔
- ❖ دینی شعور اور روحانی تربیت کی کمی۔

حل:

- ✓ دینی تعلیمات کو عملی زندگی کا حصہ بنایا جائے۔
- ✓ والدین اور تعلیمی ادارے کردار سازی کو نصاب کا بنیادی مقصد بنائیں۔
- ✓ میڈیا کو اصلاحِ اخلاق کا ذریعہ بنایا جائے نہ کہ بگاڑ کا۔
- ✓ نوجوانوں کے لیے تربیتی پروگرام، مکالمے اور عملی تربیت کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

او ﷺافراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

کردار اور قوم کی تعمیر

کسی بھی قوم کی ترقی اس کے نوجوانوں کے کردار پر منحصر ہوتی ہے۔ کردار ہی وہ قوت ہے جو علم کو بصیرت، دولت کو خیر، اور طاقت کو عدل میں بدل دیتی ہے۔ اگر نوجوان سچے، ایماندار اور بااخلاق ہوں تو قومیں عروج پاتی ہیں۔ لیکن اگر کردار زوال پذیر ہو جائے تو طاقتور قومیں بھی برباد ہو جاتی ہیں۔

نتائج و سفارشات

- ✓ نوجوانوں کی تربیت میں ایمان، تقویٰ، محنت اور سچائی کو اولین حیثیت دی جائے۔
- ✓ تعلیمی اداروں میں اخلاقی تربیت اور کردار سازی کے نصاب کو لازمی قرار دیا جائے۔
- ✓ معاشرے میں نیک صحبت اور مثبت سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے۔
- ✓ میڈیا کو اصلاحی کردار ادا کرنے پر آمادہ کیا جائے تاکہ وہ نوجوانوں کو صالح اقدار کی طرف راغب کرے۔
- ✓ نوجوانوں میں خود اعتمادی، خود احتسابی، اور خدمتِ خلق کا جذبہ بیدار کیا جائے۔
- ✓ حکومت اور دینی ادارے مل کر نوجوانوں کے لیے اخلاقی تربیت کے مراکز قائم کریں۔

اختتامی کلمات

کردار کی تعمیر محض ایک اخلاقی فریضہ نہیں بلکہ قومی، دینی اور انسانی ضرورت بھی ہے۔ ایک نوجوان جب ایمان، علم، محنت اور اخلاق کے امتزاج سے اپنے کردار کو سنوارتا ہے تو وہ صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی پوری قوم کے لیے روشنی کا مینار بن جاتا ہے۔ لہٰذا کامیاب نوجوان وہی ہے جو اپنے کردار کو ایمان کی روشنی، علم کی بصیرت، محنت کی حرارت، اور اخلاق کی شرافت سے مزین کرے۔ کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ دولت، طاقت اور شہرت ماند پڑ جاتی ہیں، مگر کردار کی خوشبو ہمیشہ باقی رہتی ہے — اور یہی خوشبو ایک کامیاب نوجوان کی اصل پہچان ہے۔

مفتی سبحان رضا امجدی، مرکز اہل سنت، حیدرآباد



ہم سیاست میں پیچھے کیوں؟

ہم مسلمان صدیوں سے حکومت کرتے آئے، ہماری سلطنتوں کے عروج وزوال تاریخ نے بخوبی سنبھال کر رکھے ہیں، جب ہم اپنے مقصود سے پھر گئے اور روزمرہ کی ضرورتوں میں الجھ کر رہ گئے، حکمرانی ہمارے ہاتھ سے غیروں میں چلی گئی جبکہ اللہ عزو جل نے مسلمانوں کو زمین کا وارث بنایا "اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ " (سورۃ انبیاء) اور انہیں حضور اکرم ﷺ کے ذریعے وہ طریقہ بھی تعلیم دیا جس کی سیکھ سے صحابۂ کرام نے دنیا کو فتح کیا اور شاندار نظام حکومت ترتیب دیا اور چلایا بھی، صحابہ جس طرح دینی معمولات پر کاربند تھے اسی طرح حکومتی سطح پر بھی دینی مزاج کو قائم رکھے ہوئے تھے، وہ خاکساری اور تواضع میں بھی بے مثال تھے اور سادگی میں بھی مضبوط اور بااختیار حاکم تھے۔ عجیب دور تھا کہ پر عیش محلات کا آرام چھوڑ کر زمین پر بیٹھتے مگر دبدبہ اور رعب اتنا کہ دنیا کی بڑی قوتیں گھٹنے ٹیک چکی تھیں۔

گزرتے وقت کے ساتھ مسلمانوں کا دائرۂ حکومت بڑھتا گیا اور آدھی دنیا پر مسلم قوتیں قابض و حکمران ہوگئیں، 712 عیسوی کا سال تھا کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا مگر سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات کے بعد ہندوستان میں باقاعدہ ایک مسلم حکومت کی بنیاد پڑی، مختلف خاندانوں نے برسہابرس اس ملک کو اپنے حسن تدبیر اور پختہ انتظامات کے ساتھ سجایا سنوارا، مسلم حکمرانوں کے بعد لالچی انگریزوں نے اس ملک سے بہت کچھ حاصل کیا، ان کے جابرانہ رویے سے تنگ آکر ہندی ہم وطنوں نے آزادی کا نعرہ دیا اور ملک کے طول و عرض میں اس کے لیے شورش برپا ہو گئی، اول اول جس نے انگریزوں سے لوہا لیا وہ مسلمان قائدین، علماء اور بزرگان دین کی جماعت تھی، مگر مسلمانوں کے ساتھ مسئلہ یہ بھی تھا کہ ایک طرف انگریز جانی دشمن تھے تو دوسری جانب بھائی چارہ کا دم بھرنے والے ہماری شناخت کو مٹانے کی سازش کر رہے تھے، وطن پرستی کے نام پر مسلمانوں کو اکسا کر ان کا مال و متاع چھینا جا رہا تھا، ان کے سیاسی مستقبل کو تاریک بنانے کی جان توڑ کوشش ہو رہی تھی، ان کا تو منصوبہ ہی یہی تھا کہ مسلمان اپنے دین سے ہٹ جائے، سماج سے کٹ جائے، معاشی طور پر برباد ہو جائے اور اس کا سیاسی وجود

کالعدم ہو جائے، پہلے تو تقسیم وطن میں اور اس کے بعد مسلسل فسادات میں حکومتی شہ پر مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا گیا، دکانیں لوٹی گئیں، عزتیں پامال کی گئیں اور مساجد کھنڈر کیے جانے لگے اور اب تک یہ نہ تھمنے والا سلسلہ ہمارے سامنے ہے، پھر گورنمنٹی اسکیموں سے ہمیں محروم کیا گیا، ملازمت کے راستے مسدود کر دیے گئے اور تعلیم کے میدان میں ڈریس کوڈ، کفریہ ترانے اور مذہبی رسومات کا بکھیڑا کر کے ہمارے علمی ذوق کا گلا گھونٹ دیا گیا. یہ سب ان حکومتوں نے کیا جن میں صدیوں سے مسلم مخالفت کا بیج پنپ رہا تھا، جب اقتدار ہاتھ آیا تو انہوں نے اپنا رنگ دکھایا، بھرپور کسر نکالی اور اپنے ہمنواؤں کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کو کھلے بندوں ہراساں کرنے لگے .

سوال یہ ہے کہ ان سب میں ہم نے کیا کیا؟

آزادی کے پس منظر میں دیکھیں تو ہم ان سیاسی گیدڑوں کے بہکاوے میں پھنس گئے جنھوں نے وطن کی محبت کا جھانسہ دے کر ہماری جانی مالی قربانیوں کو اپنے اقتدار ہتھیانے کا آلہ بنایا، حب الوطنی کا نظریہ دے کر ہمارے دینی رجحان کو کمزور کیا، بائیکاٹ کا شوشہ چھوڑ کر ہماری معیشت کو تباہ کر دیا، دکانوں پر تالے لگوا دیے اور مینوفیکچرنگ کو ٹھپ کرا دیا.

ملک کی آزادی کے بعد ہم نے چناوی موسم کا انتظار کرنے کی عادت ڈال لی اور پھر چناوی وعدوں کی افیم پر پانچ پانچ سال کی قسطوں میں گھٹ گھٹ کر اپنا وجود، وقار، عزت، سیاست، ضمیر ایمان سب گنواتے رہے اور اب تک اس پلید سیاست کی مکاریاں ہمارے سیاسی بحران میں اضافہ کر رہی ہیں .

وقفہ وقفہ مسلم قیادت کے نام پر پارٹیاں بھی بنیں، کچھ پرانی جماعتوں نے بھی اپنے کیڈر میں مسلم نمائندگی کے نام پر چند ایک سیکولر مزاج ان ہی کے ہم خیال بدھی جیویوں کو عہدے اور ذمہ داریاں دیں مگر ان میں کچھ کنبہ پروری میں مصروف رہے اور چند ایک بلند آوازوں کا کیریر ایجنسیوں کی جانچ پڑتال اور پھر جیلوں کی سلاخوں میں انجام کو پہنچا، جب کوئی مسلم نام سیاسی منچ سے ملت کی دہائی دیتا عام مسلمین کا جوش دیدنی ہوتا، کوئی نئی جماعت قومیت کا دم لے کر اٹھتی تو اس کی ریلیوں میں جوانوں کا ہجوم بھر بھر کا دکھتا مگر غیروں کی یکطرفہ ووٹنگ ان چھوٹی جماعتوں کی سیاست کو جھنجوڑ کر رکھ دیتی، نتیجتاً ہمارے نیتا جی کسی پارٹی میں شامل ہو جاتے یا گمنامی ان کے حصے آتی، بہر حال یہ چھٹ پٹ کوششیں ہمارے مسائل کی کامیاب نمائندگی پر کھرا اترنے میں ناکام ونامراد رہیں .

یہ تو اب تک کی داستان کا مختصر خاکہ تھا جو ہماری سیاسی زبوں حالی کی کھلم کھلا کھلّی اڑا رہا تھا. ذیل میں سمجھتے ہیں کہ کیا وہ اسباب ہیں جن سے ہمارا سیاسی گراف لگاتار نیچے اور نیچے ہی جا رہا ہے۔

ہم سیاست جیسے سنجیدہ مسئلے میں جذباتی ہوتے ہیں اور مختلف جماعتوں کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر اپنی وفاداریاں کبھی اس جھنڈے سے تو کبھی اس بینر سے جوڑتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ یہ پارٹیاں اپنے مقصد کیلیے ہمیں سبز باغ دکھا رہی ہیں، جبکہ سیاست

جذبات سے ہٹ کر اپنے بہتر کل کو سنوارنے اور اپنی منفعت کو ملحوظ رکھ کر کی جاتی ہے، اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ من چاہی حکومت نہ ہونے پر استحصال بڑھ جاتا ہے اور یکسو نظر انداز کر دیے جاتے ہیں، پھر اگر اپنے مطابق نتیجہ آیا تو وہ تنظیم ہمیں اپنا وفادار سمجھ کر سیاسی طور سے ہمارے آپشن ختم کر دیتی ہے جس کو آج کل یوپی بہار کے اسمبلی انتخابات میں عام طور سے دیکھا جا سکتا ہے کہ کیسے دورخی مقابلے نے عوام کے لیے تیسری راہ بند کر دی، خصوصاً مسلمانوں پر یہ لاگو ہو گیا کہ وہ ایک ہی طرف جا سکتے ہیں، ووٹ تو ہمیں ہی دیں گے جائیں گے کہاں، اب اس میں ہمارے مسائل، ہم سے متعلق اسکیمیں سب نظر انداز کر دی جاتی ہیں، نہ ہماری کوئی بات کرتا ہے حتیٰ کہ مسلمان نام لینے سے کتراتے ہیں کہ کہیں پولرائزیشن نہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ بنی کہ وہ شعبہ جہاں ہمارے حال و مستقبل کی پٹ کتھا لکھی جاتی ہے، اسکیمیں تیار کی جاتی ہیں، ہم اس میں حصّے داری کے لیے مستحکم پیش رفت نہیں کرتے، جب ڈیشیژن میکنگ میں ہماری رائے نہ ہو گی، کسی پلاننگ میں ہم شریک کار نہ ہوں گے تو فیصلے اور نتائج ہمارے موافق کیسے ہوں گے؟ اب اس کا سبب یہ ہے کہ ہم علماء کرام کی ان سیاسی تھیوریوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرنا چاہتے جو ہمیں اس پسماندگی کے دلدل سے نکال کر درپیش مسائل کا سدباب کرنے میں پوری طرح مناسب ہیں، ہم ان خطوط پر مضبوطی سے کاربند ہو جائیں تو ضرور ایسی فضا ہموار ہو جائے گی جہاں ہمارے دینی شعار اور سماجی وقار کا حسین امتزاج ہو، مذہبی اور سماجی حقوق محفوظ ہوں، خواری اور ذلالت کے سائے سے دور ایک بہترین انفراسٹرکچر تیار ہو، جس میں تعلیم ہو، ملازمت ہو، سماج سیوا ہو، جس ماحول میں ہر طبقے کو اس کا مناسب حق حاصل ہو اور بے انصافی کی مار سے محفوظ بھی ہو، ظلم و تشدد اور مشکوک نگاہوں کے تیر ہماری طرف نہ اٹھتے ہوں، یہ جبھی ممکن ہے جب سیاسی شراکت داری ہو گی۔
ہم یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ سیاست ماڈرن طرز پر ہونی چاہیے یا الیکٹرول سسٹم کا حصہ بن کر ہی اقتدار پر رسوخ حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے، مختلف طبقے کے لوگ اپنی سیاسی جماعت کا زور نہیں رکھتے مگر سماجی تال میل اور سیاسی سوجھ بوجھ اتنی ہے کہ حکومت کسی کی بھی ہو بآسانی اپنے لیے مراعات حاصل کر لیتے ہیں، ایک طرف ہم ہیں کہ چاہے کوئی پاور میں ہو ہمارا سیاسی سماجی اور معاشی استحصال (Exploitation) جاری رہتا ہے.

اختتامیہ:

ہمارا کام تو اصلاح اور دعوت الی الخیر تھا اور ہے، ہم کب سے غیروں کے رحم و کرم پر ہو گئے، اسلام مخالف قوتیں ہمیشہ سے حق کا زوال چاہتی ہیں، اس میں نیا کچھ نہیں، مگر اب جب اقتدار ان کا ہے، پاور ان کے ہاتھ میں ہے، پھر من چاہی کیوں نہ کریں گے اور کر رہے ہیں، نہ صرف ہماری سماجی اور فلاحی اسکیموں پر روک تھام ہوتی ہے بلکہ ہمارے خالص دینی و مذہبی معاملات میں بھی ان کی بے جا مداخلت اس حد تک ہے کہ جسے چاہیں غیر قانونی بتا کر بین لگا دیں، خواہ وہ مسجد ہو، مدرسہ ہو، مزار ہو، شخص ہو کہ

نظریہ سب پر پابندی بآسانی لگا پانا ان کے لیے اسی جذبے کے سبب ممکن ہے کہ انہیں ایک تو دنیا کی حرص ہے جو ظاہر ہے کہ ہونی ہے، دوسرا یہ کہ صدیوں پرانا اسلاموفوبیا کا مرض ان کا اصل محرک ہے، ان میں سب سے پریشان کن بات یہ ہے کہ جب ایک قوم برسراقتدار ہوتی ہے پھر سارے ری سورسز (Resources) اس کے ہوتے ہیں، داخلی خارجی سارے معاملات ان کے اپنے نظریات سے طے پاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم، ان کی ثقافت، ان کی زبان، ان کا کلچر، ان کا لباس سب ہمیں بھانے لگتے ہیں، ہماری سوچ یہ بن جاتی ہے کہ ان کا طرز عمل ہی ترقی کی ضمانت ہے، اس سے تو ہمارا ایسا خسارہ ہوتا ہے کہ ایمان بھی کھوکھلا ہو جاتا ہے، جوانوں میں بے حیائی کا ماحول بڑھ جاتا ہے، داڑھیاں اتر جاتی ہیں، اسلامی طرز عمل پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے، طلبہ عصری علوم کو ہی مدار زندگی مان بیٹھتے ہیں تو کاروباری سودی لین دین کو ہی بزنس بڑھانے کا ذریعہ بنالیتے ہیں، گہری نظر سے دیکھیں تو یہ ہمارا صرف سیاسی نقصان نہیں ہے بلکہ ثقافتی، معاشرتی اور مذہبی نقصان بھی ہے جو زیادہ مہلک ہے .

عنوان تفصیل طلب ہے مگر ان چند معروضات سے قارئین اندازہ لگائیں کہ کیا ہمیں یونہی گزارتے کاٹتے رہنا چاہیے یا پھر ضرورت ہے کہ بکھرے ہوئے شیرازے کو منتشر کیا جائے، ہمارے سیاسی، سماجی بکھراؤ کو سمیٹنے کی کوشش کی جائے، مذہبی رجحانات کے ڈاون فال کی روک تھام کی جائے، دینی حمیت و غیرت کے سرد جذبے کو ایمانی تپش دکھائی جائے، عوام مسلمین کی فلاح و بہبود کے لیے سرجوڑ کر بیٹھا جائے، ماضی قریب کے علما کی دور گامی سوچ کو باریک نگاہ سے پڑھا اور سمجھا جائے، بالخصوص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے سیاسی افکار و نظریات کو عملی صورت میں ڈھالنے کی کوششیں تیز کی جائیں، جو ان کی تصنیفات المحجۃ المؤتمنۃ فی آیات الممتحنۃ اور دوام العیش وغیرہ سے ظاہر ہیں، صدرالافاضل قدس سرہ کی سیاسی سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جائے، پھر بتائیں کہ ہمارے سنہرے خوابوں کی تعبیر کیسے ہوگی، ہمارا سیاسی سفر کیسے ہموار ہوگا، کب تک مشق ستم بنتے رہیں گے؟ کوئی تو راہ ہوگی، کوئی تو علاج ہوگا، بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، جو کرنا ہے آج کرنا ہے، کل کا انتظار انتظار ہے.. المدد یارب العٰلمین ...



تبلیغ اسلام میں صحابیات کا کردار

قرآن مقدس میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:" وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

ترجمہ: اور اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں، وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں۔

مذکورہ آیتِ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مرد و خواتین جن کا دل نور ایمان سے منور ہے وہ دین متین کی خدمت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں، اور تبلیغ دین و ترویج اسلام کو وہ اپنا فرض منصبی تصور کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضور پُرنور، سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے جہاں تن من دھن سے اسلام کے لیے ایثار و قربانی پیش کی ہے وہیں حضرات صحابیات رضی اللہ عنھن نے بھی ایثار و قربانی کی داستان رقم فرمائی ہے جس کی تفصیل کتب حدیث و سیر میں موجود ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی طرف سے تبلیغ اسلام کا حکم پانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اپنی شریکِ حیات ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو دعوت حق کی طرف متوجہ کیا اور بلا تردد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ تا حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت کرتی رہیں، آپ ﷺ کے کاموں میں معاونت فرماتی رہیں، اسلام کے فروغ و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہیں اور ہر مشکل میں حضور ﷺ کے ساتھ دل و جان سے کھڑی رہیں حتیٰ کہ اعلان حق کے نتیجے میں جن مصائب کا سامنا حضور نے کیا اس میں سیدہ خدیجہ پیش پیش رہیں۔ ہر مصائب و آلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا لیکن حرف شکوہ زبان پر نہ آنے دیا اور نہ ہی کسی طرح کی دل میں تنگی محسوس کی بلکہ اسلام کے لیے جان و مال اور ہر طرح سے قربانی پیش کی۔ سید نا رسول اللہ ﷺ

آپ رضی اللہ عنہا کی عظمت و رفعت اور بے مثال خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "خدیجہ تو ایسی خاتون تھیں جو مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگ میرا انکار کر رہے تھے اور میری اس وقت تصدیق کی جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اور اپنے مال سے اس وقت میری ڈھارس بندھائی جب لوگ مجھے محروم کر رہے تھے" (مسند احمد)

حضرات صحابیات میں ایک مبارک نام ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ جن کی دینی و علمی خدمات مثل آفتاب روشن ہیں، آپ کی عظمت و شان کا اندازہ اس سے کریں کہ جلیل القدر صحابہ کرام اپنے اختلافی مسائل آپ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کرتے اور آپ ان مسائل کا بہترین حل پیش فرماتیں تھیں جسے وہ حضرات بسر و چشم قبول کرتے تھے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پردہ ہونے کے باوجود دین میں مرد اور عورت دونوں مثال تھے۔

صحابیات کی تاریخ میں ایک معروف نام نامی حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا ہے، قبولیت اسلام کے نتیجے میں کفار نے آپ رضی اللہ عنہا پر مظالم کے پہاڑ توڑے کبھی آپ کو زنجیر پہنا کر گرم ریت پر لٹا دیتے، کبھی گرم لوہے سے آپ رضی اللہ عنہا کے جسم کو داغ دیتے اور کبھی گرم پانی آپ کے بدن پر ڈالتے، ان تمام مظالم کے باوجود آپ رضی اللہ عنہا کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی، آپ رضی اللہ عنہا دین حق پر قائم رہیں بلکہ تبلیغ اسلام کے لیے کوشاں رہیں، اسی درمیان ایک دن ابو جہل نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ایک نیزہ مارا جس سے آپ رضی اللہ عنہا زخمی ہو گئیں اور زخموں کی تاب نہ لا کر جام شہادت سے سرفراز ہوئیں اور اس طرح آپ نے اسلام کے نام پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے خواتین کا سر بلند کیا، آپ رضی اللہ عنہا صف نسواں میں وہ پہلی خاتون ہیں جنہیں راہ خدا میں سب سے پہلے جام شہادت نوش کرنا نصیب ہوا۔

صحابیات نے ماں کی شکل میں بھی تبلیغِ اسلام کا نایاب کردار نبھایا ہے، انہوں نے اپنے بچوں کو یہ گھٹی میں پلایا تھا کہ اگر دین اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جان بھی دینی پڑے تو اس سے پیچھے نہ ہٹنا بلکہ اللہ و رسول کے نام پر جان و مال قربان کرنا اپنا سب سے بڑا اعزاز سمجھنا۔ اس سلسلے میں سب سے عظیم نام خاتونِ جنت، بنت رسول اللہ، سیدہ، طیبہ، طاہرہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بچوں کو جیسی تربیت فرمائی اس کی مثال اسلامی عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دین متین کی حفاظت کے پیش نظر آپ رضی اللہ عنہا کے عظیم بیٹے سید الشہداء سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے میدان میں اپنی اور اپنے اہل خانہ کے جان کی قربانی پیش کر کے یہ پیغام دیا کہ میری ماں سیدہ رضی اللہ عنہا کی یہ تعلیم ہے کہ اگر اللہ و رسول کے لیے جان، مال اور تمام خاندان کو راہ خدا میں قربان کرنا پڑے تو یہ اہل بیت کے لیے شرف و اعزاز کی بات ہے۔

اسی طرح اُحد کے موقع پر حضرتِ عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے زخمی ہو گئے، تو انہوں نے فوراً اپنے کپڑے کو پھاڑ کر اپنے بیٹے کے زخم پر باندھا اور بیٹے سے کہا کہ بیٹا! حضور کی حمایت کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا جو طب و جراحت میں مہارت رکھتی تھیں وہ تمام مواقع میں زخمی صحابہ کرام کا علاج خندہ پیشانی کے ساتھ کرتی تھیں۔

غزوہ احد کے موقع پر جب کفار مکہ نے حضور ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر پھیلا دی اور صحابہ کرام اس خبر سے بے چین ہو گئے تو ایسے سنگین حالات میں جبل استقامت اور مرد میداں بن کر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا صحابہ کرام کے پاس آئیں اور ان کے چہروں پر مٹی پھینک کر فرمایا کہ: میرا چرخا لے جاؤ اور اسے کاتو اور اپنے آلات حرب مجھے دے دو۔

اسی طرح حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس صحابیہ جن کی بہادری قابل رشک تھی، رسول اللہ ﷺ آپ رضی اللہ عنہا کی بہادری کی تعریف فرماتے تھے، احد کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: احد کے روز ایک وقت آیا کہ میں اپنے دائیں بائیں جدھر دیکھتا تھا تو ام عمارہ ہی میری محافظت میں نظر آتی تھیں۔ الغرض صحابیات نے صحابہ کے شان بہ شانہ دین متین کی تبلیغ میں حصہ لیا۔ چاہے وہ داخل اسلام ہونے پر ثابت قدم رہنا ہو، یا دین حق کی خاطر مال و دولت، آل و اولاد قربان کرنا ہو ہر شعبے میں صحابیات اپنے فرائض سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں بلکہ دین متین کے لیے ہمیشہ ہر حال میں کمربستہ رہیں۔ اور اپنے بعد آنے والی تمام خواتین کو یہ پیغام دیا کہ ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہَر بھی بَرادَر بھی فِدا
اے شہِ دیں! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

☆☆☆☆☆☆

ایک آنکھ والا آدمی

حضرت کعب الاحبار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: نبی حضرت موسی کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ علیہ السلام سے گزارش کی کہ آپ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی ہمیں بارش عطا فرمائے۔ نبی موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو! میرے ساتھ پہاڑ پر چلو، سب لوگ ساتھ چل پڑے، پھر آپ علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ اگر مجمع میں کوئی ایسا شخص ہو جس نے کوئی گناہ کیا ہو وہ مجمع سے باہر ہو جائے اور میرے ساتھ نہ آئے۔ یہ سن کر سارے لوگ واپس چلے گئے، صِرف (برخ العابد نام کا) ایک شخص رہ گیا۔ اس شخص کی صرف ایک آنکھ تھی۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس ایک آنکھ والے آدمی سے پوچھا کیا تم نے میرا اعلان نہیں سنا؟ اس ایک آنکھ والے شخص نے عرض کیا: سنا ہے۔ پوچھا: کیا تم بالکل بے گناہ ہو؟ عرض کی: اے موسی کلیم اللہ! مجھے اپنا اور کوئی جُرم تو یاد نہیں، البتہ! ایک بات کا تذکرہ کرتا ہوں اگر وہ گناہ ہے تو میں بھی واپس چلا جاتا ہوں۔ حضرت موسی علیہ السلام نے دریافت فرمایا: وہ کیا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: ایک دن میں نے گزرگاہ پر کسی کی قِیام گاہ میں ایک آنکھ سے جھانکا تو کوئی کھڑا تھا، کسی کے گھر میں اس طرح جھانکنے کا مجھے بہت قلق (یعنی صدمہ) ہوا، میں خوفِ خُدا سے لرز اٹھا، مجھ پر ندامت غالب آئی اور جس آنکھ سے جھانکا تھا اس کو نکال کر پھینک دیا۔ اے سیدنا موسی اب آپ بتائیں! اگر میرا یہ عمل گناہ ہے تو میں بھی چلا جاتا ہوں۔ حضرت سیدنا موسی علیہ السلام نے اس کو ساتھ لے لیا پھر پہاڑ پر پہنچ کر آپ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا: اللہ سے بارش کی دُعا کرو۔ اس نے یوں دُعا کی: یاقدوس عَزَّوَجَلَّ! یاقدوس عَزَّوَجَلَّ! تیرا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا اور بخل تیری صفت نہیں، اپنے فضل و کرم سے ہم پر پانی برسا دے۔ فوراً بارش ہو گئی، حضرت سیدنا موسی علیہ السلام اور وہ شخص بھیگتے ہوئے پہاڑ سے واپس تشریف لائے۔ (ایک آنکھ والا آدمی بحوالہ روض الریاحین)

معلوم ہوا کہ صدق دل سے توبہ کر لینے سے گناہ مٹ جاتا ہے اور اللہ تعالی اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے سے کم مرتبہ فرد سے دعا کروانا جائز ہے اور یہ انبیاو مرسلین اور بزرگان دین کا طریقہ رہا ہے۔

نعت سید عالم ﷺ

از: مفتی اعظم حضرت مصطفی رضاخاں رحمہ اللہ

تو شمع رسالت ہے عالم تیرا پروانہ
تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جاناناں

جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

دل اپنا چمک اٹھے ایمان کی طلعت سے
کر آنکھیں بھی نورانی اے جلوۂ جاناناں

گر پڑ کے یہاں پہنچا مر مر کے اسے پایا
چھوٹے نہ الٰہی اب سنگ در جاناں

سرکار کے جلووں سے روشن ہے دل نوری
تا حشر رہے روشن نوری کا یہ کاشانہ



منقبت

عارف باللہ خواجہ سید غلام غوث شہودی رحمۃ اللہ علیہ

از: علامہ مظہر علی نظامی صاحب

او غلامِ احمدِ مختار شد
از شرابِ معرفت سرشار شد

عارفِ باللہ قطبِ سہسرام
آں شہودِ ثانی تقویٰ کار شد

آئینہ دارِ جمالِ غوث پاک
باکمال و واقفِ اسرار شد

ہستیِ خود را فنا فی اللہ کرد
از عَالَم وہرچہ دراں بیزار شد

در دلِ خود تخم تقوی ایں قدر
کاشتی کہ دشتِ دل گلزار شد

چوں قدم رنجاں شدی در سہسرام
آں بہ شہر اولیاء ائے یار ! شد

ہر کجا رفتی بہ فضلِ مصطفٰے
آں زمینِ خشک سبزہ زار شد

ہر کہ آید بر درِ تو تشنہ لب
از مئے عرفانِ حق سرشار شد

منحرف گردد کسے کہ از درت
بردرے کہ می رَوَدُ او خوار شد

برسرے کہ تونہادی دستِ خود
بختِ او بیدار ، شد بیدار شد

او را مظہر! ازطبیباں چہ غرض
آں کہ دل در عشقِ تو بیمار شد



دینی معلومات

بچوں میں دینی شعور بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں اسلامی معلومات فراہم کی جائیں، دینی واقعات، مذہبی ثقافت اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر بچے کم عمری ہی سے اسلامی تاریخ، ثقافت اور ادب کے موضوعات پر توجہ دیں گے تو ان کا مستقبل یقیناً پُر نور اور تابناک ہو گا۔

اس کالم میں چند سوالات اور ان کے جوابات شامل ہیں۔ طلبہ و طالبات سے گزارش ہے کہ ہر سوال کو اس کے درست جواب کے ساتھ ملا کر درج ذیل واٹس ایپ نمبر پر ارسال کریں۔ آپ کے درست جوابات آئندہ شمارے میں آپ کے نام کے ساتھ شائع کیے جائیں گے۔ (ادارہ)

مدیر کا واٹس ایپ نمبر +27838463037

	سوالات	جوابات
1	سب سے پہلے زمین کا کون سا حصہ بنا؟	1: مچھلی کو
2	دن اور رات میں سب سے پہلے کس کی تخلیق ہوئی؟	2: جبل احد
3	سب سے پہلے کس جانور کو پیدا کیا گیا؟	3: کعبہ معظمہ کا حصہ
4	سب سے پہلے اذان کس نے پڑھی؟	4: حضور اکرم ﷺ کی امت
5	اللہ کے نزدیک کونسا پہاڑ سب سے افضل ہے؟	5: حضرت جبرئیل علیہ السلام
6	سب سے پہلے جنت میں کون سی امت داخل ہو گی؟	6: قول جمہور پر نبی ہیں
7	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب کیا تھا؟	7: کلمۃ اللہ
8	کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں؟	8: شیر شاہ سوری
9	پہلی وحی حضور ﷺ پر کہاں نازل ہوئی؟	9: رات کی
10	سہسرام میں کس عظیم الشان بادشاہ کا روضہ ہے؟	10: غار حرا